قیمت: ۴۰ روپے

پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

خواتین کا اسلام

1086 بدھ 24 شعبان 1445ھ مطابق 6 مارچ 2024

معتبر نیکی

خوش رنگ سویرا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن

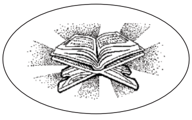

نیک اعمال

آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔(ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی ہے، تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

(سورۂ کہف: آیت ۱۱۰)

الحدیث

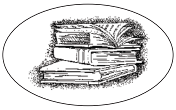

صدقہ جاریہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب کوئی شخص اس دنیا فانی سے انتقال کر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا ثواب بھی رُک جاتا ہے اور مگر تین اعمالِ صالحہ ایسے ہیں جن کا ثواب اسے قبر میں بھی پہنچتا رہتا ہے۔

(۱) صدقہ جاری (۲) ایسا علم ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں اور تیسرے نیک صالح اولاد جو اس کے لیے دعا گو رہتی ہے۔''

(مسلم)

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

میں نے فیصلہ دے دیا:

سوال: میاں بیوی میں جھگڑا ہوا۔ اسی دوران بیوی نے کہہ دیا مجھے فیصلہ دے دیجیے۔ خاوند نے غصے میں جواب دیا: ''میں نے فیصلہ دے دیا۔'' بیوی نے پھر کہا مجھے فیصلہ دے دیجیے تو خاوند نے بھی دوبارہ کہہ دیا ''میں نے فیصلہ دے دیا۔'' بیوی نے تیسری بار اپنی بات دہرائی تو خاوند نے تیسری بار بھی کہہ دیا کہ ''میں نے فیصلہ دے دیا۔'' ان جملوں سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ ہوئی تو کتنی بار؟

جواب: ایک طلاق بائن ہوگئی۔ فریقین رضا مند ہوں تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ یہ جملہ طلاق کی نیت سے کہا جائے یا مذاکرۂ طلاق کے دوران کہا جائے تو اس سے طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے۔ والبائن لایلحق البائن تفصیل کے لیے دیکھیے: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۔فتاویٰ عثمانی ۲/ ۳۷۱

بطور علاج داغ دینے کا حکم:

سوال: علاج کے مختلف طریقوں میں ایک طریقہ داغ دینا ہے۔ بعض امراض میں یہ طریقہ مفید و مجرب ہے کہ لوہا گرم کرکے جسم کے متاثرہ حصے کو داغتے ہیں، کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داغ دینے والوں پر لعنت بھیجی۔ آگ سے تو ویسے بھی پناہ مانگی گئی، اس طریقۂ علاج کے متعلق شرعی حکم واضح کیجیے۔

جواب: داغنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو منع فرمایا، لیکن دوسری طرف یہ بھی ارشاد فرمایا کہ شفاء تین چیزوں میں ہے: پچھنے والی سینگی لگانے میں یا شہد پینے میں یا آگ سے داغنے میں۔(بخاری)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی بیماری کے دوران اپنے دست مبارک سے داغا۔ اسی طرح حضرت ابی بن کعب اور حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی اسی طریقے سے علاج فرمایا۔ مشکوٰۃ اور دیگر کتب حدیث میں یہ واقعات مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کئی صحابہ نے یہ طریقۂ علاج اختیار فرمایا، لہٰذا یہ طریقۂ علاج جائز اور بعض صورتوں میں مفید ہے۔ باقی رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد وانا انھی امتی عن الکی (میں اپنی امت کو داغنے سے منع کرتا ہوں) تو یہ اس پر محمول ہے کہ چونکہ یہ طریقۂ علاج نہایت تکلیف دہ اور خطرناک ہے، اس لیے جب تک دوسرے طریقوں سے علاج ممکن ہو یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ چنانچہ عربوں میں مقولہ مشہور ہے: آخر الدواء الکی۔ اس حدیث میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ داغنے میں مبالغہ نہ کیا جائے۔ ایک حد تک اس طریق علاج سے استفادہ کیا جائے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں ہے: اوکیۃ واحدۃ غیر فاحشۃ۔ بعض محدثین کے مطابق اس نہی و ممانعت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد لوگوں کو اعتدال کی تلقین تھی کہ دوا و علاج کی دوسری تدبیروں کی طرح یہ داغنے کا عمل بھی ایک تدبیر ہے شفاء من جانب اللہ ہے۔ عرب میں داغنے کو حتمی اور یقینی علاج سمجھا جاتا تھا سو اصلاح عقیدہ کے لیے اس کی نہی فرمادی، تاکہ لوگوں کے ذہن سے یہ بات نکل جائے کہ یہ یقینی علاج ہے۔(مرقاۃ المفاتیح ۸/ ۲۹۰)

باقی رہی داغ دینے والوں پر لعنت کی وعید تو وہ ارشاد خاص اس شخص کے بارے میں ہے جو چہرے پر داغ دے یا چہرے پر مارے، چنانچہ حدیث میں ہے رسول اللہ نے ایک گدھے کو دیکھ کر جسے چہرے پر داغ دیا گیا تھا، ارشاد فرمایا:

اما بلغکم انی لعنت من وسم البھیمۃ فی وجھھا او ضربھا فی وجھھا فنھی عن ذلک (ابوداؤد)

شارح ابوداؤد مولانا خلیل احمد سہارن پوری قدس سرہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

وکتب مولانا محمد یحییٰ المرحوم من تقریر شیخہ الوسم لاضیر فیہ اذا اشتمل علی فائدۃ بعد ان لایکون فی الوجہ لانہ فی الوجہ یقبح الوجہ و یعود علی بعض الحواس بالابطال او بالافساد کالباصرۃ (بذل المجھود ۳/۴۳۰)

مجنونہ کے جنازے میں کون سی دعا پڑھی جائے؟

سوال: ایک اٹھارہ سالہ جوان لڑکی فوت ہوگئی۔ اس کا دماغی توازن صحیح نہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ اس مجنونہ کی نماز جنازہ میں دعا کون سی پڑھی جائے؟ نابالغ بچی والی یا بالغہ والی؟

جواب: اگر مجنونہ کا جنون اصلی تھا، یعنی بچپن ہی سے یہ بیماری لاحق تھی اور اسی حالت میں بلوغ کو پہنچی تو جنازے میں نابالغ بچی والی دعا پڑھی جائے اور اگر جنون عارضی تھا تو بالغہ والی دعا پڑھی جائے۔

آئینہ گفتار

محبوبانہ تعلق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

پچھلے ہفتے آئینہ گفتار میں ایک تمثیل کے ذریعے کافی عرصے کے بعد بہنوں کو نہیں بلکہ اپنے بھائیوں کو مخاطب کیا۔ وجہ یہ بنی کہ کچھ ملنے والے مشورہ لینے آئے تو دورانِ گفتگو اندازہ ہوا کہ حضرت بیگم سے کچھ زیادہ ہی آپ جناب کرتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ان کا نام تک نہیں لیتے۔ ہنسی مذاق چھیڑ چھاڑ تو بس حرام ہی سمجھیے۔

باہمی احترام کا ایسا 'نیاز مندانہ تعلق'' دیکھ کر ہماری تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اب یہ مت سمجھ لیجیے گا کہ یہ رشک کے آنسو تھے۔

ایک تو یہ بھی بڑا مسئلہ ہے۔ کچھ بھائی بہنیں محاورہ نہیں سمجھتے، نہ کامن سینس سے کام لیتے ہیں۔ بھئی ہم نے بطور محاورہ لکھا کہ اِن بے چاروں کی بے چارگی پر رونا بنتا ہی ہے جنھیں نجانے کس نے یہ پٹی پڑھا دی ہے کہ اہلیہ سے بھی امی جان جیسا برتاؤ کرنا کوئی بڑے ثواب کی بات ہے۔

اف ! سوچو تو سوچنا بھی محال ہے کہ ایسے لوگوں کی ازدواجی زندگی کیسی خشک، کتنی بور اور بیزار کن ہوتی ہوگی؟

بھئی جب تک ازواج میں بے تکلف دوستوں اور محبوب کی طرح باہمی چھیڑ چھاڑ نہ ہو، ہلکی پھلکی فقرے بازی اور چخ چخ نہ ہو تو جینے کا خاک مزہ ہے۔

ٹھیک ہے، یہ اشغالِ بے تکلفانہ، ہنسی مذاق دوسروں کے سامنے نہیں ہونے چاہییں۔ اُن کے سامنے تو باوقار رہیں۔ بیویاں اپنے سرتاج کو واقعتاً سر پر تاج کی طرح سجا کر رکھیں، مگر گھر پر بھی پیر مریدنی یا دوسری انتہا پیرنی مرید بنے رہنا عجیب بدذوقی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی اور آپ کی ہماری مقدس ماؤں کے ساتھ گزری زندگی دیکھیے۔ واہ واقربان جائیے کیا اعتدال سے بھرپور مکمل بشری زندگی تھی!

حضور سید البشر، سید الانبیاء، محبوبِ خدا ہیں، مگر بیویوں کے ساتھ ایسا محبوبانہ تعلق تھا کہ جب پہلی بار سیرت کے خانگی مناظر ہم نے پڑھے تو باقاعدہ حیرت کے سمندر میں غوطے کھائے کہ یہ بھلا کیسے ممکن ہے؟

یعنی عظیم المرتبت نبی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے سامنے فرشتے بھی مودب رہتے ہیں، اپنی اہلیہ کی دلجوئی کے لیے اُن کے ساتھ کھیل رہے ہیں، دوڑ لگا رہے ہیں، انھیں تیراندازوں کا تماشا دکھا رہے ہیں۔ آب خورہ سے پانی پیتے ہیں تو پوچھ کر وہاں سے، جہاں سے اہلیہ نے پیا ہے۔ گاہے ایک دوسرے کو لقمہ بنا کر اپنے ہاتھ سے کھلا رہے ہیں۔

ہم نے پڑھا کہ حضرت امی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوی کی حیثیت سے بیوی ہی ہوتیں، نبی اور امتی والا نیاز مندانہ تعلق پیچھے رہ جاتا اور آپ مقامِ ناز پر ہوتیں جن کے عظیم شوہر اُن کے ناز اٹھا رہے ہوتے۔ اُن کی ناراضی بھی ہنس کر نظر انداز فرما رہے ہوتے۔ اور ہمیں حیرت کیوں ہوئی؟

اِس لیے کہ ہمیں تو یہی سنایا جاتا رہا کہ فلاں حضرت کی اہلیہ تو جب تک حضرت بیٹھتے نہ تھے، ایک پیر پر کھڑی رہتی تھیں۔ ایک دوسرے کو اپنے ہاتھ سے لقمہ کھلانا تو محال، مجال ہے جو کبھی اپنے حضرت خاوند سے پہلے یا ساتھ کھانا کھایا ہو، ہمیشہ بعد میں کھایا۔ آنکھ اٹھا کر حضرت کو نہیں دیکھتی تھیں یا پھر کسی حضرت کے حوالے سے یہ بھی سنایا جاتا کہ اہلیہ کا اتنا ہی ادب کرتے جتنا امی جان کا۔

ارے میرے بھائی! یہ غیر فطری مصنوعی طرزِ زندگی ہے۔ ایسے جیسے میاں بیوی دونوں شیشے کے کسی نازک باکس میں زندگی گزار رہے ہیں کہ ذرا سی چوٹ لگے گی اور شیشۂ دل ٹوٹ جائے گا۔

نہیں جناب! یہ خوبصورت ترین رشتہ تو کئی پہلوؤں سے دنیا کا قریب ترین رشتہ ہے۔ آدم و حوا کی وساطت سے اللہ میاں کا بنایا گیا سب سے پہلا رشتہ جس کی بنیاد پر ہی پھر آ گے ماں باپ، بہن بھائی، سسرال سمیت سارے پیارے رشتے قائم ہوتے ہیں۔

اور دیکھیے تو سہی اس رشتے کو خالقِ کائنات نے کیسی خوبصورت اور جامع تشبیہ دی کہ زوجین کو ایک دوسرے کا لباس فرمایا۔

اب بھلا لباس سے کیا حجاب ہوتا ہے؟ لباس جو عیوب کو چھپاتا، حسن کو بڑھاتا ہے۔ لباس جو پہننے والے کے سب سے قریب ہوتا ہے۔

ہاں یہ رشتہ مگر نازک بھی اتنا ہے کہ انسیت اور محبت کا تعلق نہ رہے تو اک ذرا سی دیر لگتی ہے اور بدن سے ہمیشہ کے لیے جدا کر کے کوئی اور ''لباس'' پہن لیا جاتا ہے۔

اور یہ انسیت اور محبت کا تعلق اس لیے نہیں بن پاتا کہ محبت پنپنے ہی نہیں دی جاتی۔

بھئی یہ حسین دلکش رشتہ رس بھرا ہے، اس کے لیے تو ہر دو انتہا سے بچنا چاہیے۔ نہ جاہلوں کی طرح ڈھول دھپا ہو اور نہ باہم پیری مریدی ہو۔ یہ دونوں ہی انتہائیں غیر فطری ہیں۔

ہمارے دین دار گھرانوں میں پہلی انتہا تو الحمدللہ نہیں پائی جاتی، مگر دوسری انتہا ضرور ہے جس سے آپس کا تعلق کبھی محبت کا بن ہی نہیں پاتا۔ اور پھر کسی ذرا سی بات پر یہ مصنوعی ادب احترام بھی ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

ان دو ہفتوں میں مردوں کو خاص اس لیے مخاطب کیا کہ عموماً وہی اپنی ازدواجی زندگی کو جو رُخ دیتے ہیں، وہ رخ ساری زندگی چلتا ہے۔ سو براہِ کرم نہ اپنی زندگی کی خوشیاں بنام دین خود پر حرام کیجیے، نہ اپنی نازک آبگینے جیسی بیوی کو ساری زندگی سلگتا رکھیے۔

اس بے چاری کو ماں بنائیے نہ پیر کی جوتی، محبوبہ بنائیے!

گویا زوجہ کی جگہ سر پر ہے نہ پیروں میں، اس کی جگہ تو دل میں ہے! بے تکلف فطری انداز میں محبت کا رس گھول کر اس رشتے کو نبھائیے۔ خوش رکھیے، خوش رہیے۔

والسلام
محمد فیصل شہزاد
مدیر مسئول

مدیر اعلیٰ : مفتی فیصل احمد | مدیر : انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان | مدیر مسئول : محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے، بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے، دو میگزین 28000 روپے

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر خواتین کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

چکن ساٹے

شائستہ احسان

انڈونیشین کھانوں میں خصوصیت کی حامل ایک مزے دار اور شاندار ڈش جسے مرغی کی بغیر ہڈی کی بوٹیوں کو تنکوں میں پرو کر تیل میں فرائی کر کے بنایا جاتا ہے۔ یہ پکوان جنوب مشرقی ایشیا میں بھی یکساں مقبول ہے۔ ملائیشیا، سنگاپور، تھائی لینڈ اور ویت نام میں اسے بہت شوق سے کھایا جاتا ہے، خوشبودار اور لذیذ چکن ساٹے اپنے ذائقے میں منفرد اور اشتہا انگیز پکوان ہے جسے دوپہر یا رات کے کھانے میں کھایا جاتا ہے۔

چھے افراد کے لیے اجزا:

میرینیشن کے لیے:

مرغی کی بوٹیاں بغیر ہڈی کے ایک کلوگرام، پسی ہوئی سفید مرچ آدھا چائے کا چمچ، پسی ہوئی کالی مرچ آدھا چائے کا چمچ، نمک حسب ذائقہ، تیل تلنے کے لیے۔

چٹنی کے لیے:

تیل ایک کھانے کا چمچ، لہسن چھوٹا چھوٹا کٹا ہوا ایک چائے کا چمچ، تھائی چلی پیسٹ دو کھانے کے چمچ، پینٹ بٹر ایک کپ، پانی ایک کپ، چکن پاؤڈر ایک چائے کا چمچ، پسی ہوئی ہلدی آدھا چائے کا چمچ، بھوری شکر ایک کھانے کا چمچ، پسی ہوئی کالی مرچ آدھا کھانے کا چمچ، پسی ہوئی سفید مرچ، آدھا کھانے کا چمچ، کوکونٹ ملک تین چوتھائی کپ۔

ترکیب:

مرغی کی بغیر ہڈی کے بوٹیوں کو ایک پیالے میں ڈال کر اس میں پسی ہوئی سفید مرچ، نمک اور پسی ہوئی کالی مرچ ملا کر اچھی طرح ملائیں تاکہ مسالا اس میں رچ بس جائے۔ اس کے بعد اسے ایک گھنٹے کے لیے میرینیٹ کرنے کے لیے رکھ دیں۔ اب چکن کی بوٹیوں کو بانس یا لکڑی کے تنکوں میں پرو لیں۔

ایک فرائنگ پین میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کریں، پھر اس میں تنکوں میں پروئی ہوئی بوٹیوں کو تلیں۔ ہر طرف سے پانچ منٹ تک تلیں تاکہ اس کی رنگت سنہری مائل بھوری ہو جائے۔ اس کے بعد اسے ایک طرف رکھ دیں۔

چٹنی بنانے کے لیے فرائنگ پین میں تیل گرم کریں، پھر اس میں کٹا ہوا لہسن ڈال کر اچھی طرح بھونیں۔

اس میں تھائی چلی پیسٹ ڈالیں اور اچھی طرح بھونیں۔

اس میں پینٹ بٹر اور پانی ڈال کر اچھی طرح پھینٹیں تاکہ وہ اس میں تحلیل ہو جائے۔

اب اس میں چکن پاؤڈر، پسی ہوئی ہلدی اور بھوری شکر ڈال کر اچھی طرح پھینٹیں۔

اس میں پسی ہوئی کالی مرچ، سفید مرچ اور کوکونٹ ملک ڈال کر مزید پھینٹیں۔ اب مرغی کی بوٹیوں کو تنکوں سے اتار کر اس میں ڈالیں اور اچھی طرح مکس کریں۔

اشتہا انگیز اور مزے دار چکن ساٹے تیار ہے۔

خشخاش کا خاگینہ

اجزا:

خشخاش آٹھ کھانے کے چمچ، پیاز دو عدد بڑی، نمک، کٹی مرچ حسب ذائقہ، ہری مرچ تین چار عدد، تیل چھے کھانے کے چمچ۔

ترکیب:

پیاز باریک کاٹ لیں، جیسے انڈے کے لیے کاٹتی ہیں۔ خشخاش نتھار کر باریک پیس لیں۔ اب پیاز تلیں، ہلکی گلابی ہو جائے تو چمچ سے درمیان میں جگہ بنائیں تاکہ آئل درمیان میں آجائے۔ اب اس میں ہری مرچ کاٹ کر ڈالیں، پھر اس میں خشخاش پسی ہوئی ڈال کر ہلکا سا بھونیں، نمک، کٹی مرچ بھی ڈال دیں اور پیاز سمیت سب ملا دیں اور انڈے کی طرح بھون لیں، چمک آجائے تو اتار لیں، ناشتے میں آپ لوگ بھی پراٹھے یا ڈبل روٹی سے کھائیں اور بچوں کو بھی کھلائیں۔

ملاحظہ: خشخاش میں مٹی بہت ہوتی ہے اس لیے پاؤ، آدھا کلو اکٹھا ہی نتھار کر پیس کر کیوبز بنالیں اور ایئر ٹائٹ ڈبے میں رکھ کے فریزر میں رکھ دیں۔

یہ خاگینہ دماغ کے لیے ازحد مفید ہے۔ جن کے سر میں خشکی ہو یا نیند نہ آتی ہو ان کے لیے بہت مفید ہے، بچوں کی ذہنی نشوونما کے لیے بھی بہت فائدہ مند ہے۔

☆☆☆

”معتبر نیکی“

عفت مظہر۔ اسلام آباد

ملک شفیق احمد آج ساٹھ برس کے ہو گئے تھے۔ پیشے کے اعتبار سے ایک ماہر وکیل تھے۔ ان کا نام کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ خاموش طبع انسان تھے۔ اپنے کام سے کام رکھتے لیکن آج کل بے چارے زیادہ تر زوجہ کے عتاب کا شکار رہتے تھے۔

آج پھر یکطرفہ خانہ جنگی شروع تھی۔

’’آپ کسی سے ملتے جلتے نہیں، بالکل بھی سوشل نہیں ہیں۔ ہر وقت فائلوں میں سر کھپائے رکھتے ہیں۔ کیوں اتنے لالچی ہو گئے ہیں؟ ہمارا گزارا تو اچھا بھلا ہو رہا ہے۔ بیٹے بھی اچھی خاصی رقم بھیج دیتے ہیں۔ اتنے زیادہ کیسز لے کر کیا کریں گے۔ ذرا اپنے لیے بھی وقت نکالیں۔ محلے والوں سے واجبی سلام دعا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے آپ ہی ملنے سے کتراتے ہیں۔‘‘

فاطمہ اپنی کہہ چکیں تو ملک صاحب گویا ہوئے: ’’بیگم! یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ اب میں اتنا بھی بد اخلاق نہیں۔ نماز کے لیے آتے جاتے پڑوسیوں سے سلام دعا ہو جاتی ہے، مصافحہ بھی کرتا ہوں خیر خیریت دریافت کرتا ہوں۔ ہاں تمھاری طرح دروازے پر کھڑے ہو کر گھنٹہ گھنٹہ بے مقصد گپ شپ نہیں کرتا، اس کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔‘‘

ملک صاحب کبھی کبھار ہی فاطمہ کے آگے اپنی صفائی پیش کرتے تھے، ورنہ عموماً خاموشی سے سنتے رہتے اور مسکراتے رہتے تھے۔ فاطمہ ان کی اس عادت سے اور زیادہ تپ جاتی تھیں اور شکایت کرتیں۔

’’میری ہر بات کے جواب میں آپ کے پاس بس مسکراہٹ ہے۔ میں ہی پاگل ہوں، جو بک بک کرتی رہتی ہوں۔ سنا تھا وکیل کے ساتھ رہنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ ہر بات میں بحث و مباحثہ صرف اپنی چلانا، لیکن آپ تو دنیا کے انوکھے وکیل ہیں، آواز سننے کو ترس جاتی ہوں۔‘‘

بے شمار شکایتوں کے باوجود فاطمہ ملک صاحب کی بڑی مداح تھیں۔ وہ فاطمہ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ہر ضرورت بنا کہے پوری کر دیتے۔ بیمار ہوتیں تو تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے، جب وقت ہوتا تو دیر تک باغیچے میں فاطمہ کے ہمراہ چہل قدمی کرتے۔ ہاں باہر جاتے ہوئے وہ ذرا گھبراتے تھے۔ دونوں بچوں کی ذمے داریوں سے فارغ ہو چکے تھے۔ ایک بیٹا نوکری کے سلسلے میں لاہور اور دوسرا دوبئی میں رہائش پذیر تھا۔ دونوں شادی شدہ تھے جبکہ ملک صاحب کا پڑاؤ اسلام آباد میں تھا۔ وہ فاطمہ کے ہمراہ ایک خوش حال اور مطمئن زندگی گزار رہے تھے۔ بیٹے بہویں جب بھی موقع ملتا آتے جاتے رہتے۔ فاطمہ بھی بیٹوں کے پاس جا کر چکر لگا آتیں۔ میاں کو ساتھ جانے کا کہتیں تو وہ مصروفیت کا بہانہ کر دیتے اور فاطمہ جل کر کہتیں کہ کورٹ کچہری تو میری سوتن ہیں۔ ان کے چکروں سے ہی فرصت نہیں ملتی آپ کو تو۔ ارے کچھ اپنی عاقبت کے بارے میں بھی سوچیں، خالی نمازیں اور روزے نہیں بخشوائیں گے، صلہ رحمی بھی ضروری ہے۔ خدمت خلق کے بارے بھی سوال ہوگا، حقوق العباد کی بھی پوچھ گچھ ہوگی۔‘‘

اور ملک صاحب یہ سن کر ہمیشہ کی طرح بس مسکرا دیتے۔

اس دن شام کی چائے پیتے ہوئے فاطمہ گویا ہوئیں:

’’بات سنیے، آج کچھ لوگ شکریہ ادا کرنے آئے تھے، آپ گھر پر نہیں تھے میں نے پوچھا کس بات کا شکریہ تو انھوں نے بتایا کہ ملک صاحب نے ہماری زمین پر سے ناجائز قبضہ ختم کرایا بنا فیس لیے اور گھر کی چھت ڈالنے میں بھی ہماری بھرپور مدد کی، یہ سن کر میں بہت حیران ہوئی کہ آپ ایسے کام بھی کرتے ہیں اور مجھ سے ذکر تک نہیں کیا؟‘‘

’’بیگم! اگر آپ کو بتا دیتا تو آپ سارے شہر میں بلا معاوضہ تشہیر کر دیتیں، نیکی کا مزہ تو چھپا کر کرنے میں ہے۔ یاد رکھیے وہ نیکی بڑی معتبر ہے جس کا کوئی گواہ نہ ہو سوائے اللہ کے اور نیکی کرنے کا طریقہ کار یہ ہے کہ دائیں ہاتھ سے دو تو بائیں کو بھی خبر نہ ہو۔‘‘

یہ سن کر فاطمہ جل کر بولیں: ’’ہاں خود کو دایاں ہاتھ اور مجھے کتنی آسانی سے بایاں ہاتھ کہہ دیا۔‘‘ یہ سن کر ملک صاحب پھر مسکرائے بنا نہ رہ سکے۔

کھانا کھاتے ہوئے فاطمہ ملک صاحب سے مخاطب ہوئیں:

’’محلے میں تین چار گھروں میں میری کافی دوستی ہو گئی ہے۔ خوب گپ شپ رہتی ہے

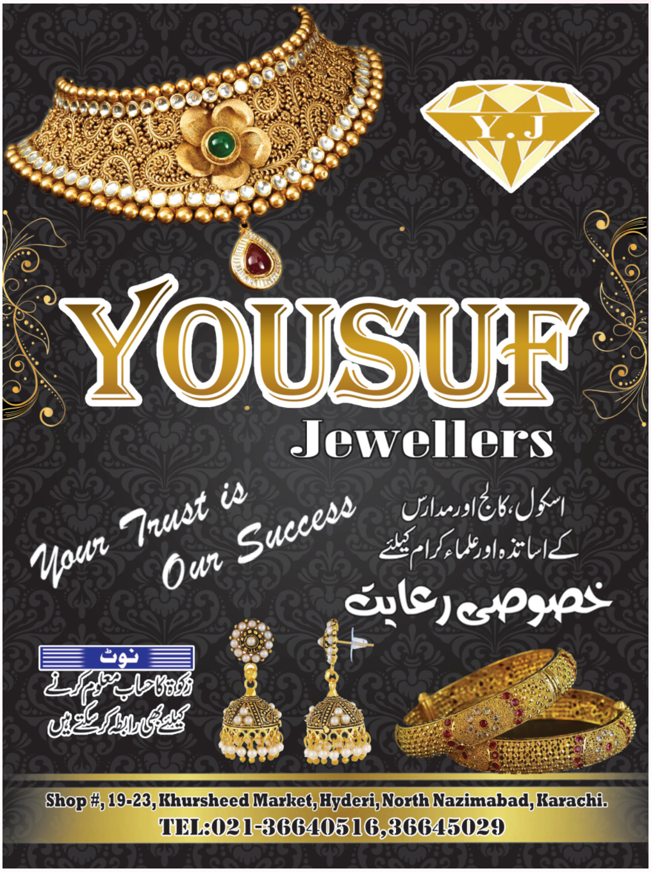

وقت اچھا گزر جاتا ہے۔''

''بھئی مجھے پتا ہے آپ خواتین کیا باتیں کرتی ہیں؟ میں تو کب سے آپ کو سمجھانا چاہ رہا تھا۔ ابھی پرسوں جب آپ پڑوسنوں کے ساتھ تیز آواز میں محوِ گفتگو تھیں تو نہ چاہتے ہوئے بھی میرے کانوں میں باتیں پڑ گئیں۔ ایک تو خواتین کو ہلکی آواز میں بات کرنا چاہیے، خیر آپ کی ایک پڑوسن کہہ رہی تھیں کہ میرے میاں تو صبح چار بجے اٹھتے ہیں۔ نفل پر نفل پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ دوسری بولیں، میرے میاں اور میں تو ہر روز چار سپارے پڑھتے ہیں۔ اور ستائیسویں رمضان کی عبادات کے تو سب ایسے بڑھ چڑھ کر قصے سنا رہی تھیں جیسے یہ ''مقابلہ حسنِ عبادت'' ہے۔ کوئی کہتی ہیں کہ میں نے پچاس نوافل پڑھے۔ نوافل کے ساتھ آیت کریمہ کا پانچ ہزار بار ورد کیا۔ دوسری خاتون کیوں پیچھے رہتیں، فرما رہی تھیں کہ میں تو پوری رات نہیں سوئی، دس سپارے پڑھے اور مصلے پر کھڑی رہی۔ بھئی میرا دل تو یہ سب سن کر بہت دکھی ہوا۔ یہ بھی کوئی بتانے والی باتیں ہیں؟ تم خواتین کو تو عادت ہے ہر بات کا ڈھنڈورا پیٹنے کی۔ نیکی مخفی رہے تو کارگر ثابت ہوتی ہے۔ سیانے کہتے ہیں نیکی کر، دریا میں ڈال!

فاطمہ اپنی سہیلیوں کی بابت ملک صاحب کی بات سن کر چڑ گئیں۔

''شکر ہے آپ تو اپنی ساری نیکیاں دریا میں ڈال دیتے ہیں بلکہ مجھے تو لگتا ہے سمندر میں ڈال دیتے ہیں، تبھی تو خوردبین سے بھی دیکھو تو کچھ نظر نہیں آتا۔''

ملک صاحب حسب عادت مسکرائے اور بنا مزید ایک جملہ کہے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

اگلے دن ملک صاحب بہت دیر سے گھر آئے تو فاطمہ غصے میں بھری بیٹھی تھیں۔ میاں کے آتے ہی الفاظ کی گولہ باری شروع کر دی۔

کہاں تھے، کسی کے ساتھ تھے، یہ گھر آنے کا کون سا وقت ہے؟ گھر آنے کا تو آپ تکلف ہی کرتے ہیں۔ میری تو آپ کو رتی بھر بھی پروا نہیں ہے۔''

ملک صاحب بہت تھکے ہوئے تھے، آج جواب میں مسکرا بھی نہ سکے۔ اپنی صفائی میں بولے تو صرف اتنا کہ ضروری کام میں پھنس گیا تھا۔ موبائل میں سگنل نہیں آرہے تھے، ورنہ تمھیں ضرور اطلاع دیتا، معافی چاہتا ہوں۔ تم پریشان ہوئیں۔''

اس وضاحت سے فاطمہ وقتی طور پر خاموش ہو گئیں لیکن نجانے کیوں ایک وسوسہ ایسا ان کے دل میں آ گیا جو کبھی جوانی میں بھی نہ آیا تھا۔ سوچنے لگیں کہیں کوئی اور چکر تو نہیں، کہیں صاحب نے چپ چپاتے دوسرا نکاح تو نہیں کر لیا!''

اس خیال کو انھوں نے بارہا ذہن سے جھٹکا لیکن وہ بری طرح ان کے ذہن سے چپک گیا تھا۔ ان کی رات کانٹوں پر گزری۔ آخر صبح ہوتے ہی میاں کے معاون کو فون کیا اور پوچھا کل ملک صاحب سارا دن کہاں رہے؟

معاون بے چارا گھبرا کر بولا: ''میم! آپ خود ان سے پوچھ لیں۔''

فاطمہ غصے سے بولیں: ''میں تم سے پوچھ رہی ہوں؟ بتاؤ وہ سارا دن کہاں تھے؟''

معاون ڈرتے ڈرتے بولا: ''غریبوں کی بستی کو ڈھانے کے لیے آپریشن شروع ہوا تو ملک صاحب اپنی ٹیم کے ہمراہ وہاں پہنچے اور آپریشن رکوانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ سارا دن بھوکے پیاسے کھڑے رہے اور آخر کار آپریشن رکوانے میں کامیاب ہو گئے۔''

یہ سنا تو فاطمہ بیگم کا غصہ جاتا رہا اور وہ اچھی خاصی شرمندہ بھی ہوئیں کہ خواہ مخواہ میں نے بدگمانی کی اور غصے میں ہوش کھو بیٹھی۔ ان کو کھانے کا بھی نہیں پوچھا۔ ایک تو یہ کچھ بتاتے بھی تو نہیں ہیں۔ ان کی خاموشی نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ خیر ابھی اٹھیں گے تو اپنے تلخ رویے کی معذرت کر کے انھیں منا لوں گی۔''

وہ کافی دیر کمرے کے چکر لگاتی رہیں۔ پریشان تھیں کہ ملک صاحب اتنی دیر تو نہیں سوتے آج کیا ہو گیا؟ پھر سوچا شاید تھکاوٹ زیادہ ہو گئی ہو گی۔ گیارہ بج گئے وہ نہ اٹھے تو قریب جا کر آواز دی، جھنجھوڑا لیکن وہ بے سدھ پڑے تھے۔

گھبرا کر انھوں نے ملازم کو آواز دی اور خود ڈاکٹر سے رابطہ کیا۔ ڈاکٹر نے حالت سن کر فوراً ایمبولینس بلوانے کی تاکید کہ اسپتال لے جائیں۔ اسپتال لے کر گئے تو ان کے خاندانی ڈاکٹر نے بتایا کہ چار دن سے ملک صاحب میرے پاس آرہے ہیں۔ سینے میں درد کی شکایت کر رہے تھے۔ میں نے انھیں آرام کا مشورہ دیا تھا۔ چیک اپ کے بعد بتایا کہ معمولی سا ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔

فاطمہ حیرت سے بولیں: ''کمال ہے انھوں نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں۔''

کچھ دیر کے بعد ملک صاحب نے آنکھیں کھولیں تو فاطمہ نے شکایتاً کہا: ''چار دن سے آپ کی طبیعت ناساز تھی اور آپ نے مجھے کچھ بتایا ہی نہیں!''

وہ نقاہت سے مسکراتے ہوئے بولے: ''تم پریشان ہو جاتیں، میں تمھیں پریشان کرنا

اللہ کے شیروں کو!

علامہ اقبال

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

عطارؔ ہو رومیؔ ہو رازیؔ ہو غزالیؔ ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحرگاہی

نومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

☆☆☆

نہیں چاہتا تھا۔“

فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ ملک صاحب پریشان ہوکر بولے:

”فاطمہ! روؤ نہیں، میں تمھاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ مجھے معاف کردینا فاطمہ!“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”تمھیں مجھ سے شکایتیں جو بہت ہیں۔ میں تمھاری شکایتوں کا ازالہ نہیں کرسکا۔

نہیں نہیں ایسی بات نہیں۔ یہ معمولی لڑائی جھگڑے تو زندگی کا حصہ ہیں اور محبت کی نشانی، آپ نے تو میرا بڑا خیال رکھا ہے، معافی تو مجھے مانگنی چاہیے۔ جو منہ میں آیا آپ کو سنا دیا۔ شکرگزاری کر ہی نہ پائی۔“

شام تک ملک صاحب کی طبیعت میں اتار چڑھاؤ آتا رہا، پھر اچانک طبیعت بگڑ گئی اور دل کا دوسرا دورہ جان لیوا ثابت ہوا۔

دونوں بیٹے طبیعت کی خرابی کا سن کر پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ فاطمہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا۔ کسی پل چین نہیں آرہا تھا۔ جو ملک صاحب کی وفات کا سنتا، دوڑا چلا آتا تھا۔ لوگوں کا ایک ازدحام تھا، حتیٰ کہ لوگوں کو بٹھانے کو جگہ کم پڑ گئی تھی۔ اجنبی خواتین روتی تڑپتی آکر فاطمہ سے گلے مل رہی تھیں۔ وہ حیران تھیں کہ یہ کون خواتین ہیں، یہ لوگ کہاں سے آرہے ہیں؟

ایک خاتون روتے ہوئے بولیں: ”باجی! ملک صاحب ہمارا باپ کی طرح خیال رکھتے تھے۔ ہر مشکل میں ہمارے ساتھ کھڑے ہوتے تھے۔“

ان کے معاون نے بتایا کہ ملک صاحب نے وراثت کے بے شمار مقدموں میں خواتین کو حصہ دلایا۔ بے گناہ قیدیوں کے مقدمات بنا فیس کے لڑے اور انھیں رہائی دلوائی۔ ان کے فلاحی کاموں کی تو فہرست بن ہی نہیں سکتی۔ رشتے داروں سے تو ان کا سلوک قابل تقلید تھا۔“

فاطمہ یہ سن کر حیرت سے بولیں:

”مگر وہ تو کم ہی کسی رشتے دار کے گھر آتے جاتے تھے۔“

”نہیں میم! ملک صاحب ہر دوسرے تیسرے دن دفتر سے واپسی پر کسی نہ کسی رشتے دار کے گھر خیر خیریت دریافت کرنے جاتے، بے شک پانچ منٹ کے لیے جاتے، ان کی ہر طرح کی مدد کرتے تھے، آپ کو علم ہوگا۔ آپ کے بھائی کا سودی قرضہ ملک صاحب نے ادا کیا تھا اور آپ کے ماموں کے حج کے سارے اخراجات ملک صاحب نے برداشت کیے تھے۔ اب آپ کو میں کیا کیا بتاؤں۔“

اور فاطمہ وہ تو گنگ کھڑی تھیں۔ یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ ملک صاحب نے یہ باتیں تک ان سے چھپائی تھیں۔ انھیں بے ساختہ ملک صاحب کی بات یاد آئی کہ نیکی وہی معتبر ہوتی ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہ ہو۔

اب انھیں اپنے رویے پر، اپنی بدگمانی پر شدید ندامت اور پچھتاوا ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو ساون کی جھڑی کی طرح برس رہے تھے اور وہ اپنے آپ سے ہم کلام تھیں۔ واقعی ملک صاحب آپ اپنی نیکیاں اپنے ساتھ بحفاظت لے گئے، الحمدللہ!

اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھامے وہ سوچ رہی تھیں یہ کیسا المیہ ہے کہ انسان کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے جانے کے بعد ہوتا ہے......!

☆☆☆

مکافات عمل

بنت بشیر احمد قریشی

یہ فطری بات ہے کہ زیادہ تر لوگ بڑھاپے میں بچوں کی طرح ضدی اور چڑچڑے سے ہوجاتے ہیں اور یہ تب ہوتے ہیں جب انھیں اہمیت نہ دی جائے۔ بوڑھے لوگوں کو عملی طور پر ثابت کرکے بتائیں کہ وہ آپ کے لیے بہت ”اہم“ ہیں۔ بعض گھرانوں میں بزرگوں کو بوجھ تصور کیا جاتا ہے۔ یہ قصہ بھی ایسے ہی ایک گھرانے کا ہے اور نجانے ایسے کتنے گھرانے ہوں گے۔ کسی زمانے میں ہمارے پڑوس میں ایک عورت رہتی تھی، اس کے پانچ بچے تھے جن کی عمریں بالترتیب تین سال سے بارہ سال کے درمیان تھیں، دو بیٹے تھے تین بیٹیاں۔ اس عورت کی ساس سیدھی سادی عورت تھی۔ وہ عورت ساس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتی تھی، بات بات پر طعنے دیتی۔ وہ اپنے بڑے خاندان کے زعم میں مبتلا تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ وہ عورت ساس کو مارنے پیٹنے سے بھی گریز نہیں کرتی تھی۔ آخر ایک دن ساس اس جہانِ فانی سے کوچ کرگئیں۔

میرا تعلق ہے صابروں کے قبیلے سے مگر
میرا رب وہ محتسب ہے جو لیتا سب حساب ہے

پندرہ سال بعد اس عورت کی ایک جوان بیٹی پاگل ہوگئی ہے۔ بیٹی کو اپنا کچھ ہوش نہیں رہتا، اسے قید میں رکھنا پڑتا ہے۔ جب ٹوائلٹ وغیرہ لے جانے کے لیے باہر نکالتے ہیں تو وہ وبال بن جاتی ہے، اپنی ماں کو نوچتی اور مارتی ہے۔ وہ عورت اس کے مرنے کی دعائیں کرتی ہے۔ کبھی اس لڑکی کو دورہ پڑتا تو وہ خود کو چھڑوا کر باہر بھاگ جاتی ہے اور لوگوں کے بچوں کی گردنیں دباتی ہے۔ لوگوں کے گھروں میں گھس کر قیمتی چیزوں کا نقصان کردیتی ہے جو اس کی ماں کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ اس عورت کے ایک اٹھارہ سالہ بیٹے کو گٹکا، پان اور چھالیہ کھانے کی بری لت پڑ گئی۔ پہلے معمولی کھانسی رہنے لگی، پھر شدید کھانسی کے دورے پڑنے لگے، پھر ایک دن آیا کہ بلغم کے ساتھ خون اور گوشت کے چھوٹے چھوٹے لوتھڑے بھی آنے لگے۔ آخر اسے منہ کا کینسر تشخیص ہوا۔ چند مہینے زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد وہ چل بسا۔ اس کے بعد اس عورت کی حالت دیوانوں جیسی ہوگئی ہے، اسے ایک پل قرار نہیں آتا۔ اب جی ہاں اب وہ وہ عورت اعتراف کرتی ہے کہ مجھے ساس کے ساتھ بدسلوکی کرنے اسے مارنے پیٹنے کی سزا ملی ہے۔ میری زندگی میں سکون نہیں ہے، مجھے راتوں کو نیند نہیں آتی، میں سونا چاہتی ہوں پھر بھی نیند نہیں آتی۔ وہ روتی ہے، پچھتاتی ہے، معافیاں مانگتی ہے، اپنی ساس کو مختلف طرح ایصال ثواب بھی کرتی ہے تاکہ اسے سکون میسر آجائے لیکن ساری دنیا جب نیند کے مزے لے رہی ہوتی ہے تب بھی نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور ہوتی ہے۔

کاش! انسان ظلم وستم ڈھاتے وقت یہ سوچ لے کہ کاتب تقدیر دیکھ رہا ہے اور یہ سب یا اس سے زیادہ ستم اس کے ساتھ ہوگیا تو......؟

☆☆☆

ڈاکٹر زاہدہ ثقلین

خوش رنگ سویرا

بات تو اتنی بڑی نہ تھی مگر اس پر علینہ کا ردعمل انتہائی حیران کن شدت لیے ہوئے تھا۔ شرجیل نے بات سنبھالنے کی بہت کوشش کی مگر علینہ تو کچھ سننے کو تیار ہی نہ تھی اور کچھ نہ سوجھا تو وہ غصے میں بھرا ہوا زور سے دروازہ بند کرتا باہر نکل آیا اور سڑکوں پر آوارہ گردی کرنے لگا۔

اس کے باہر جاتے ہی علینہ نے میز پر رکھا چائے کا کپ اٹھا کر زمین پر پٹخا اور کمرے میں بند ہوگئی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سب کچھ تہس نہس کردے، ہر چیز نوچ ڈالے، ساری دنیا اسے بری لگ رہی تھی۔ بول بول کر گلا سوکھ گیا تھا۔ اس نے پانی کا گلاس پیا اور بے دَم ہو کر بستر پر گرگئی۔ وہ بے آواز رو رہی تھی اور اس کو خود بھی علم نہیں تھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔

علینہ اور شرجیل کی شادی تین ماہ پہلے ہوئی تھی۔ شادی پر شرجیل کو دو ہفتے کی چھٹی ملی، پھر اس وعدے کے ساتھ دوسرے شہر سدھارا کہ جلد از جلد مناسب گھر کا انتظام کرکے علینہ کو ساتھ لے جائے گا۔ اس دوران ہر ہفتہ وار تعطیل پر وہ گھر آجاتا۔ علینہ کبھی میکے چلی جاتی کبھی سسرال میں ہی شوہر کی راہ دیکھتی۔ بہر حال یہ وقت کٹ ہی گیا اور دو ماہ بعد علینہ اپنے گھر آگئی۔

اس کے ساتھ ساس، سسر اور نندیں بھی آئیں۔ سب نے مل کر سامان ٹھکانے پر رکھا۔ دو چار دن وہاں گزار کر واپس لوٹے اور یوں ان دونوں نے مکان کو گھر بنانے کا کام شروع کیا۔ شرجیل ذمے دار، معاملہ فہم، متحمل مزاج تھا تو علینہ کی طبیعت میں بھی سادگی اور ٹھہراؤ تھا۔ ان کے لیے ہر دن ہی پہلے سے بڑھ کر خوب صورت تھا مگر آج...... آج صبح ہی سے علینہ کا موڈ سخت خراب تھا۔ مارے باندھے ناشتہ بنایا۔ شرجیل نے پوچھا تو رکھائی سے جواب دیا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''تو کام نہ کرو نا۔'' وہ فوراً آگے بڑھا اور اس کے ہاتھ سے برتن لے کر میز پر رکھے۔

''یہاں آرام سے بیٹھو، میں برتن لگاتا ہوں۔''

علینہ نے سختی سے لب بھینچے جیسے بمشکل اپنے آپ کو کچھ کہنے سے باز رکھ رہی ہو۔

شرجیل نے اس کے سامنے انڈا، پراٹھا رکھا اور کپ میں چائے انڈیلتا ہوا بولا:

''چلو جلدی سے ناشتہ کرو پھر آرام کرنا۔''

''میں صرف چائے پیوں گی۔''

''نہیں بھئی تھوڑا سا پراٹھا تو کھاؤ نا۔'' شرجیل نے اصرار کیا: ''پھر ایک لقمہ بنا کر اس کی طرف بڑھایا۔ ''چلو شاباش منہ کھولو۔''

''میں نے کہا ہے نا کہ صرف چائے پیوں گی۔''

علینہ نے اس کا ہاتھ جھٹک کر سختی سے کہا۔

شرجیل حق دق رہ گیا۔ یہ انداز اس کی محبوب بیوی کا تو نہ تھا مگر جلد ہی خود پر قابو پا کر نارمل انداز میں بولا: ''چلو ٹھیک ہے۔'' اس نے اپنا ناشتہ شروع کیا۔ ساتھ ساتھ ہلکی پھلکی باتیں کرتا جا رہا تھا مگر علینہ جیسے سن ہی نہیں رہی تھی۔ اس کے چہرے پر زمانے بھر کی بیزاری تھی۔

شرجیل نے ناشتہ ختم کیا اور اٹھتے ہوئے بولا:

''دوپہر کے کھانے کی فکر نہ کرنا ہم باہر چلیں گے۔''

علینہ ایک جھٹکے سے یوں اٹھی کہ کرسی پیچھے جا الٹی اور چلائی:

''بتایا بھی ہے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور آپ کو آؤٹنگ کی پڑی ہے۔''

اور پھر جو اس نے شرجیل کے وہ لتے لیے کہ وہ ششدر کھڑا اسے دیکھتا ہی رہ گیا، درمیان میں اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا مگر وہ ایسی بپھری ہوئی تھی کہ شرجیل نے فرار ہی میں عافیت جانی۔ اب وہ سڑکیں ناپتا ہوا ان سب باتوں کو ذہن میں دہرا رہا تھا اور ڈھونڈے سے بھی اسے اپنا کوئی قصور نظر نہیں آیا، آخر تھک ہار کر قدم واپس گھر کی طرف بڑھا دیے۔

کچھ دیر سونے کے بعد علینہ کی آنکھ کھل گئی مگر طبیعت پژمردہ سی تھی اور دماغ جیسے کسی شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ اس کو شرجیل کے ساتھ کیے گئے ناروا سلوک کا احساس بھی تھا مگر وہ بے بس تھی۔ وہ یہ سب نہیں کرنا چاہ رہی تھی مگر جیسے کوئی زبردستی اس سے یہ کروا رہا تھا۔

''اف میں کیا کروں؟'' اس نے اپنے بال نوچے۔ ''میں ایسی نہیں ہوں۔''

اس نے خود کو یقین دلایا۔

اسی دوران شرجیل گھر واپس آگیا۔ کمرے میں جھانکا تو علینہ سوتی بن گئی۔ اس کو اپنے رویے پر شرمندگی بھی تھی اور یہ احساس بھی کہ اگر شرجیل نے کوئی بات کی تو وہ دوبارہ لڑ پڑے گی، اس لیے غنیمت یہی تھا کہ چپکی پڑی رہے۔

شرجیل نے آہستگی سے دروازہ بند کیا: ''شاید کل مہمانوں کی خاطر مدارت کرتی رہی تو تھک گئی ہے، اس لیے چڑچڑی ہو رہی ہے۔''

اس نے اپنے آپ کو تسلی دی اور لاؤنج میں بکھری اشیا سمیٹنے لگا۔

''اٹھ جائیں جناب! چائے تیار ہے۔''

علینہ نے چائے کی پیالی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے شرجیل کے بال سہلائے اور اس کی کھنکتی ہوئی آواز سن کر شرجیل نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

''کیا یہ میری پیاری زوجہ صاحبہ ہی بول رہی ہیں؟'' مصنوعی حیرت کا اظہار ہوا۔

''جی جناب زوج صاحب! جلدی سے اٹھ جائیں اب۔'' وہ مسکرائی۔

وہ فٹافٹ اٹھ بیٹھا۔

''شکر ہے بیگم! تمھاری نارمل آواز بھی سنائی دی پچھلے دنوں تو لگ رہا تھا جیسے تمھیں کوئی جن چمٹ گیا ہے۔''

''ہاں حسام بھی یہ کہتا تھا کہ تمھیں کوئی جن چمٹ جاتا ہے۔''

اس نے اپنے بھائی کا نام لیا۔

''یعنی یہ کوئی پرانا جن ہے، کہیں میری بیگم کو ہی نہ لے اُڑے۔''

''فکر نہ کریں بیگم کہیں نہیں جانے والی۔''

علینہ نے باورچی خانے کی طرف قدم بڑھائے اور شرجیل چائے پیتے ہوئے گزشتہ دنوں کو سوچنے لگا۔ علینہ کا رویہ عجیب سا تھا۔ وہ اپنی بدتمیزی پر شرمندگی کا اظہار بھی کرتی تھی مگر دوبارہ تلخ کلامی شروع کر دیتی تھی۔ موڈ خراب، حلیہ ابتر، سارے جہاں سے بیزار۔ کل شام تک یہی صورت حال تھی مگر اب تو جیسے کایا پلٹ ہوگئی تھی۔

''اللہ کرے یہی صورت حال رہے۔''

اس نے دل سے دعا کی۔ زندگی یکدم خوب صورت لگنے لگی تھی۔

پھر بہت سے دن خوش گوار گزرے، انھوں نے مل کر گھر کی آرائش کی، کچھ اشیا خریدیں،

چھوٹے سے باغیچے میں نئے پودے لگائے، گھومے پھرے اور ایک دن پھر علینہ پر وہی کیفیت طاری ہوگئی۔

گھر سے وحشت ہونے لگی۔ ہلکے پھلکے کام بھی پہاڑ لگنے لگے، دل چاہتا تھا کہ کوئی بہانہ ملے اور وہ لڑنا، چیخنا چلانا شروع کردے۔ کتنی ہی بار باغیچے کی طرف بڑھی کہ پودے اکھاڑ پھینکے اور اپنے آپ کو اس حرکت سے باز رکھنے میں اسے پوری توانائی صرف کرنی پڑی۔

شرجیل کو اندازہ ہوگیا اور گزشتہ تجربہ اسے بھولا بھی نہ تھا اس لیے اس نے علینہ سے زیادہ بات چیت سے گریز کیا مگر وہ اس پر بھی ناراض ہوئی: ''آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے؟''

''تمھاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے نا اس لیے ڈسٹرب نہیں کرتا۔''

''آپ کو لگتا ہے میرا دماغ خراب ہے اس لیے بات نہیں کرتے۔'' وہ تلخ ہوئی۔

''ایسی بات نہیں ہے۔''

''مجھے پتا نہیں چلتا کیا؟ آپ مجھ سے بیزار ہورہے ہیں کیونکہ میں بدزبان ہوں، جھگڑالو ہوں، آپ کا خیال نہیں رکھتی۔''

اس نے کشن اٹھا کر دور پھینک دیا۔ شرجیل نے ترحم بھری نگاہ سے اس کو دیکھا اور خاموشی سے باہر اٹھ آیا۔ کمرے میں میں علینہ ابھی بھی بلند آواز سے اپنے آپ کو کوس رہی تھی۔

شرجیل کا دل تاسف سے بھر گیا۔

شرجیل آفس سے لوٹا تو نک سک سے تیار خوشبو میں بسی چہرے پر مسکراہٹ سجائے علینہ کو دیکھ کر خوشگوار حیرت میں گھر گیا۔

''واہ رے واہ، لگتا ہے جن نے ہماری پری کا پیچھا چھوڑ دیا۔'' وہ مسکرادی۔

کھانے کی میز پر علینہ نے گزشتہ چند روز کے ناروا سلوک کی معافی مانگی جسے شرجیل نے مذاق میں اڑا دیا مگر علینہ اپنے ذہن میں پنپتے اندیشوں سے جان نہ چھڑا سکی۔

رات کو وہ بہت دیر تک جاگتی رہی۔ بظاہر نظریں شرجیل پر جمی تھیں جو گہری نیند میں تھا مگر اندر آوازوں کا شور تھا۔

''یہ تمھارا اتنا خیال رکھنے والا شوہر ایسا کب تک برداشت کرے گا؟''

''ایک دن اکتا جائے گا تم سے بیزار ہوجائے گا۔''

''اس کا حق نہیں ہے کہ اسے ایک نارمل بیوی ملے۔''

''تم تو نفسیاتی مریضہ ہو نفسیاتی مریضہ!''

بڑی مشکل سے اُس نے ان خیالات کو جھٹکا اور اللہ کا ذکر کرنے لگی مگر حقیقتاً وہ بہت پریشان ہوگئی تھی۔

صبح ناشتے کی میز پر اس کا اترا ہوا چہرہ شرجیل سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔ استفسار پر بہت مشکل سے وہ اپنے آپ کو بولنے پر آمادہ کرسکی:

''میرا خیال ہے کہ ہمیں......!'' اُس نے انگلیاں مروڑتے ہوئے نظریں جھکالیں۔

''ہمیں کسی ماہر نفسیات سے ملنا چاہیے۔''

شرجیل فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گیا مگر شرارتی انداز میں سوال کیا:

''کیوں بھئی کیا تمھیں اپنا میاں نفسیاتی مریض لگتا ہے؟''

علینہ نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا تو شرارتی مسکراہٹ نظر آئی۔ ''آپ بھی نا!'' وہ جھلا گئی۔ ''میں اپنے لیے کہہ رہی ہوں۔''

''کیوں بھئی تم کوئی پاگل ہو؟ بس ذرا کیوٹ زیادہ ہو اِس لیے صرف مجھے نہیں ایک جن کو بھی پیاری لگتی ہو اس لیے وہ کبھی کبھار آجاتا ہے تم سے ملنے......''

''شرجیل......!'' وہ چلائی اور اِدھر اُدھر متلاشی نظروں سے دیکھا کہ کوئی چیز اٹھا کر اسے مارے مگر وہ بھاگ کر دروازے تک پہنچ گیا تھا:

''ٹاٹا بائے بائے!'' اور غائب۔

اف، علینہ نے ہاتھ ماتھے پر مارا، اس بندے سے کوئی سنجیدہ بات کی ہی نہیں جاسکتی مگر فائدہ یہ ہوا کہ رات سے جن پریشان کن سوچوں میں وہ گھری ہوئی تھی وہ اُڑن چھو ہوگئی تھیں۔

شرجیل نے علینہ کی بات تو مذاق میں ٹال دی تھی مگر دفتر میں وہ سنجیدگی سے اس بات پر غور کرتا رہا، آخر اسے علینہ کی بات بالکل صحیح لگی۔ علینہ نے خود کہا تھا کہ ''مجھے لگتا ہے کوئی میرے اندر سے زبردستی مجھ سے یہ بدتمیزی کرواتا ہے۔ میں کرنا نہیں چاہتی مگر بس بے بس ہوجاتی ہوں۔'' یہ بتاتے ہوئے وہ شرجیل کے سامنے رو پڑی تھی۔

اس نے فیصلہ کیا کہ پہلے وہ خود ماہر نفسیات سے ملے گا اور اس کے مشورے سے اگلا قدم اٹھائے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے تسلی سے شرجیل کی بات سنی، کچھ سوالات کیے اور مشورہ دیا کہ بہتر ہے اپنی بیگم کو ساتھ لے کر آئیں۔

شرجیل کے لیے یہ کافی تھا کہ انھوں نے زیادہ تشویش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بظاہر زیادہ سریس مسئلہ تو نہیں لگ رہا مگر صحیح صورتِ حال تو میں آپ کو آپ کی مسز سے بات کرنے کے بعد ہی بتاسکوں گا۔

شرجیل اگلے دن کا وقت لے کر کلینک سے رخصت ہوا۔

علینہ اس کی شکر گزار تھی کہ اس نے سنجیدگی سے علینہ کی بات پر غور کیا۔ مقررہ وقت پر وہ دونوں ماہر نفسیات کے سامنے موجود تھے۔ انھوں نے اس کے مسئلے سے متعلق بہت سے سوالات کیے اور علینہ نے بلاکم و کاست سب کچھ بتادیا۔ سوالات ختم ہوئے تو جیسے نتیجے پر پہنچ گئے: ''محترمہ! آپ Premenstrual syndrome (PMS) کا شکار ہیں۔''

''جی......؟'' ان دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

ڈاکٹر صاحب نے سمجھانا شروع کیا:

''دیکھیں، مردوں میں ٹیسٹوسیٹرون (testosterone) ہارمون ہوتا ہے جبکہ عورتوں میں ایسٹروجن (estrogen) اور پروجیسٹرون (Progesterone) ہارمون ہوتے ہیں۔ جسم میں اُن کی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور یہ نہ صرف جسمانی بلکہ جذباتی ونفسیاتی تبدیلیوں کا باعث بھی بنتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے بتایا کہ ایام سے ہفتہ دس دن پہلے آپ میں علامات آتی ہیں اور جب ایام شروع ہوجاتے ہیں تو آپ بہتر محسوس کرتی ہیں۔''

علینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''سب سے پہلے تو آپ ذہن سے نکال دیں کہ آپ کو کوئی نفسیاتی بیماری ہے۔'' وہ علینہ سے مخاطب ہوئے اور وہ جیسے ہلکی پھلکی ہوگئی۔

''اِس تبدیلی کو قبول کرلیں۔ متوازن غذا لیں، چہل قدمی اور ورزش کی عادت بنائیں۔ نماز کی پابندی رکھیں، تلاوت اور تسبیحات کا معمول بنائیں۔ کسی مشغلے میں اپنے آپ کو مصروف رکھیں اور اُن دنوں میں کوشش کریں کہ ان کے مزاج کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔'' آخری جملے کا مخاطب شرجیل تھا۔

''حاضر جناب! بندہ خیال رکھے گا۔''

اس کے انداز پر علینہ اور ڈاکٹر صاحب دونوں ہنس دیے۔

''اور ایک آخری بات۔'' وہ جانے لگے تو ڈاکٹر صاحب کو یاد آیا۔ ''اگر اِن باتوں سے افاقہ نہ ہو تو آپ دوبارہ بھی میرے پاس آسکتے ہیں۔ زیادہ مسئلے کی صورت میں ادویات بھی تجویز کی جاسکتی ہیں۔''

''جی بے حد شکریہ ڈاکٹر صاحب!'' شرجیل اور علینہ کلینک سے نکلے تو بہت مطمئن اور مسرور تھے۔ انھیں محسوس ہوا کہ بہت سے خوش رنگ سویرے اُن کے منتظر ہیں۔

ملاحظہ: اس تحریر میں ماہر نفسیات ڈاکٹر قرۃ العین کا تعاون شامل ہے۔

☆☆☆

بے مثال حافظہ

امام ترمذی رحمہ اللہ کا حافظہ بہت مشہور تھا۔ ابو سعید ادریسی فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کی قوت حفظ ضرب المثل تھی۔ امام صاحب کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے کہ انہوں نے کسی استاد سے دو حدیثیں سنیں مگر لکھنے کے بعد پڑھ کر سنانے کا موقع نہ ملا، اس لیے وہ مطمئن نہیں ہوئے۔ ایک بار مکہ مکرمہ کے راستے میں اچانک اُن استاد سے ملاقات ہوگئی تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن سے درخواست کی کہ وہ ان سے حدیثیں سن لیں۔ استاد صاحب نے کہا: ''ٹھیک ہے تم تحریر سامنے رکھو میں پڑھتا ہوں، تم مقابلہ کرتے جاؤ۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ نے وہ احادیث تلاش کیں مگر نہ ملی تو وہ سخت پریشان ہوئے۔ گھبراہٹ میں انہیں اور تو کچھ نہ سوجھا، سادہ کاغذ سامنے رکھ کر سننے لگے۔ استاذ صاحب کی نظر قرأت کے دوران کاغذ پر پڑ گئی تو سخت غصے میں آگئے اور فرمایا: ''میرا انداق بناتے ہو؟'' امام صاحب نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ اگرچہ اس وقت تحریر میرے پاس نہیں ہے مگر لکھے ہوؤں سے زیادہ محفوظ ہے۔ استاذ نے کہا: ''اچھا سناؤ۔'' امام صاحب نے فرفر سنادیا۔ استاد صاحب کو خیال ہوا کہ انہیں پہلے سے یاد ہوں گی، لیکنا مام صاحبنے عرض کیا کہ آپ دوسری حدیثیں سنا کر آزمائش کرلیں۔ استاد صاحب نے اپنی خاص الخاص چالیس احادیث پڑھیں۔ امام صاحب نے ان کو فوراً دہرادیا۔ استاد ان کے حافظے پر نہایت متعجب ہوئے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ خوف خدا کے باعث بہت روتے تھے، یہاں تک کہ کثرتِ گریہ سے اُن کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ یہ حضرات ہمارے لیے نمونہ چھوڑ گئے کہ خوفِ خدا دل میں ہوگا تو ہی دنیا و آخرت سنورے گی۔ ؎

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو تیرے دل میں لاشریک لہ

مرسلہ: کنول نورین

ہم گئے عمرے پر

ہم سب بہنیں اپنے کاموں میں مگن تھیں۔ امی جان جائے نماز پر بیٹھی گہری سوچ میں غرق تھیں۔ ایسے میں ہم سب کی محویت کو موبائل کی گھنٹی نے توڑا۔ امی نے فون کان سے لگایا۔ ''اچھا......!'' امی جان کا حیرت کے مارے اچھا نکلا اور ہم سب بہنیں فوراً شہد کی مکھیوں کی طرح امی کے گرد جمع ہوگئیں۔

بالآخر فون بند ہوا تو بہت بڑی خوش خبری ہمیں سننے کو ملی کہ ہم سب مع شادی شدہ بہن اور ان کا بیٹا ٹھیک پندرہ دن بعد عمرے پر جا رہے ہیں۔ ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ بے اختیار ابو جان کے لیے دل سے ڈھیروں ڈھیر دعائیں نکلیں جو ہمیں اس مبارک سفر پر لے جانے کا ذریعہ بن رہے تھے۔

یہ خبر جیسے ہی خاندان بھر کو ملی سب ہی ملنے کو مبارک باد دینے کے لیے آنے لگے۔ ملنے ملانے اور تیاریوں کا سلسلہ ختم ہوا تو مقررہ تاریخ کو ہم کراچی جا پہنچے۔ وہاں ابو جان کے دو دوستوں نے ہمیں اپنے گھر مدعو کیا تھا۔ سب ہی خوب دعاؤں کا کہہ رہے تھے اور ہم چھوٹے ہونے کی وجہ سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔

اللہ کے کرم سے سب کام بحسن وخوبی انجام پائے اور ابو جان کو کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ ہوا، الحمدللہ!

بالآخر وہ مبارک گھڑی بھی آئی جب ہم مدینہ ائیر پورٹ پر اترے۔ وین میں بیٹھ کر ہوٹل پہنچے۔ ابو جان کے دوست نے بہترین ناشتہ بھجوایا بالکل پاکستان والا۔ مزا دوبالا ہوگیا۔

کچھ دیر آرام کیا پھر ابو جان نے درج ذیل چند ہدایات دیں:

(۱) مدینہ میں رہتے ہوئے کثرت سے درود شریف۔
(۲) جہاں تک ہو سکے مسجد نبوی میں آواز بلند نہیں کرنی۔
(۳) زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کی تلاوت کرنی ہے۔

بنت البحر
ٹنڈو آدم

اور بھی بہت سی ہدایات تھیں جو اس وقت ذہن میں نہیں۔

ہم نے تمام ہدایات پلو سے باندھیں اور مسجد نبوی جانے کی تیاری کرنے لگے۔

فورِ اشتیاق سے ہمارا دل تیزی سے دھڑکتا تھا۔ ہوٹل زیادہ دور نہ ہونے کی وجہ سے پیدل ہی سفر کو ترجیح دی اور ہم درود شریف کا ورد کرتے ہوئے مسجد نبوی کے سامنے جا پہنچے۔ وہ پرشکوہ مینار اور سبز گنبد نظر آیا تو آنکھوں سے انسو کی لڑیاں بہنے لگیں۔ محبت شوق کا عالم ہی کچھ اور تھا جو قلم بند نہیں کیا جا سکتا۔

ہم مسجد نبوی میں بیٹھ گئے۔ وہاں حلقے بنے ہوئے تھے قرآن کے......اور سیکھنا سکھانا چل رہا تھا۔ ہم ان حلقوں کے قریب ہو گئے، پھر الحمدللہ دس دنوں میں ایسا موقع بھی آیا کہ ہم نے ان عرب خواتین کو اپنا قرآن پاک بھی سنایا تو وہ اَحْسَنْتِ اَحْسَنْتِ کہنے لگیں۔ مدینہ منورہ میں زیارات بھی ہوئیں۔

دس دن پر لگا اڑ گئے اور ہم کم ہمت مدینہ منورہ کا حق ادا نہ کر سکے دوبارہ پھر بلائے جانے کی دعا کرتے ہوئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔

مکہ مکرمہ پہنچتے ہی ہم نے عمرہ ادا کیا۔ ہمارے دو سالہ بھانجے نے نانا جان کی پیٹھ پر بیٹھ کر عمرہ ادا کیا۔

عمرے کا طریقہ ابو جان کی ہمراہی میں الحمدللہ احسن طریقے سے ادا ہوا۔ یہاں بھی زیارات خوب ہوئیں۔

دس دنوں میں دو عمرے ہی کر سکے۔ باقی الحمدللہ طواف کا خوب موقع ملا اور ہم نے موقع سے خوب فائدہ اٹھایا۔ بہرحال یہ مبارک سفر اپنے اندر بہت سی یادیں چھوڑ کر اختتام پذیر ہوا۔ ہمیں سب گھر والوں کے ساتھ بہت بہت مزا آیا۔ عبادتوں میں مقابلہ مسابقہ بھی چلتا رہا، آپس میں نوک جھونک بھی چلتی رہی۔ قریب تین برس ہو گئے ہیں مگر ابھی بھی جب ہم سب جمع ہو کر اس وقت کو یاد کرتے ہیں تو لطف آتا ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ہمارے ابو جان کو ایک مرتبہ پھر ہمت طاقت عطا دے، جو ابھی بھی چلتے پھرتے کہتے رہتے ہیں کہ ''ایک بار پھر لے کر اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لے جاؤں گا تم سب کو......!''

اس تحریر کے ذریعے میں اپنے ابو جان کو خراجِ تحسین پیش کرنا چاہوں گی کہ انہوں نے اچھی خاصی مشقت اٹھا کر ہم دس افراد کو عمرہ کرایا۔ اللہ پاک میرے ابو جان کا سایہ ہم سب پر عافیت کے ساتھ سلامت رکھے، آمین ثم آمین!

حیرت انگیز آفر!
50% OFF
اشتیاق احمد کے تمام ناول اور کتابیں آدھی قیمت پر
ہزاروں کتابیں ایک کلک پر
ہم نے آباد کیا ہے آپ کے لیے
کتابوں کا ایک نیا جہاں
گھر بیٹھے کتابوں کی خریداری کے لیے ہماری ویب سائٹ "کتاب نگر" وزٹ کیجیے اور حاصل کیجیے بے شمار کتابیں وہ بھی حیرت انگیز ڈسکاؤنٹ پر۔
بچوں کی تعلیم و تربیت اور تفریح کے لیے خوبصورت کتب پر مشتمل کتاب نگر میں خوش آمدید!
نوٹ: یہ آفر محدود مدت کے لیے ہے۔
ہماری ویب سائٹ پر آرڈر کرنے کا طریقہ:
اشتیاق احمد کے ناول اور کتابیں آرڈر کرنے کے لیے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے دائیں طرف Categories پر کلک کریں اور پھر "Ishtiaq Ahmed" پر کلک کریں، اپنے مطلوبہ ناول کے ٹائٹل کے نیچے "ADD TO CART" کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، آپ اوپر دائیں جانب بنے باسکٹ کے نشان کے پر اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لیے اُس باسکٹ کے نشان پر کلک کر کے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈیلیوری چارجز دیکھ کر "CHECKOUT" کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے "Place Order" پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل پانچ سے سات دن تک ڈیلیور ہو جائے گا۔ شکریہ
ویب سائٹ: www.kitaabnagar.com

اہلیہ کمال احمد خان۔ کلفٹن، کراچی

وکان اللہ شاکرا

ابا کی شخصیت پر لکھنے کا داعیہ کافی عرصے سے تھا مگر خیال آتا تھا کہ ابا کی ۹۵ سالہ زندگی کو اگر تفصیل سے لکھا تو پورا رسالہ ہی ابا نامہ ہو جائے گا۔

ابا 'قوامون' کی عملی تصویر ہیں۔ ایسا قوامون جو نہ صرف تمام گھر کے فیصلوں کا اختیار اپنے پاس رکھتا ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کا بھی مصداق ہے کہ ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہو!''

ابا اور امی کی ملاقات ۱۹۵۴ء میں انگلینڈ میں ہوئی جہاں ابا رام پور کے ایک چھوٹے سے علاقے سے اٹھ کر علی گڑھ سے گریجویشن کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے پہنچے تھے اور امی ایک جرمن خوب صورت لڑکی تھیں جو جرمنی سے آئی ہوتی تھیں۔

ابا کی کہانی پڑھنے سے پہلے ذہن میں رہے کہ ابا اس وقت بس ایسے مسلمان تھے جنھیں شاید دین دار لوگ مسلمان بھی مشکل ہی سے گردانتے ہوں (مگر آج زندگی کی کئی دہائیاں گزارنے کے بعد اور ابا کی زندگی دیکھنے کے ساتھ مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا ہے کہ اللہ رب العزت کے نزدیک اصل اعتبار دل کا ہی ہے اور اسی پر آگے کے فیصلے ہوتے ہیں)۔ خیر امی اور ابا کی ملاقات ہوئی جو آخر کار امی کے ایمان لانے اور دونوں کی شادی کا خوبصورت نتیجہ لائی۔ ابا علی گڑھ کے پڑھے ہوئے ایک لبرل مسلمان تھے جس کی زندگی میں دین کے احکامات بہت تھوڑے سے تھے مگر شاید ایک بہت نیک ماں اور رام پور کے محدود سے ماحول میں بسنے کا اثر تھا کہ انگلینڈ میں پہلی بیٹی جب چار سال کی عمر میں اسکول سے عجیب سی باتیں سیکھ کر آئی تو ابا کا ایسا دل کھٹکا کہ پہلی فرصت میں اپنی تمام تر آسائشوں والی زندگی چھوڑ کر پاکستان کا رختِ سفر باندھ لیا۔

امی جو جرمنی کے ایک نہایت اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور فطرت میں پاکیزگی تھی، ابا کے پیچھے پیچھے بغیر کچھ کہے انجانے ملک میں آ گئیں۔ یہ ابا کی دین کے لیے دی گئی پہلی قربانی تھی۔ ۱۹۶۰ء میں پاکستان میں سہولیات کا فقدان تھا۔ ابا کے پاس نوکری تھی نہ گھر۔ اپنے بھائی کے گھر کے اوپر معمولی سے بنے ہوئے ایک کمرے اور غسل خانے میں اپنی حاملہ بیوی اور بچی کے ساتھ رہنا شروع کر دیا۔ سخت جاں فشانی کی زندگی ابا کے لیے تو تھی ہی مگر امی کی قربانیوں کو تو سوچا نہیں جا سکتا، مگر اُس باوفا عورت نے نکاح کے دو بولوں کو ایسا نبھایا جو شاید آج کی مشرقی لڑکی بھی سوچ نہیں سکتی۔ بہرحال ہر مشکل ابا نے پاکستان میں سیٹ ہونے کے لیے اٹھائیں اور ہر اس پرکشش آفر کو جو امی کی والدہ کی طرف سے جرمنی شفٹ ہونے کے لیے دی گئی، ابا نے ٹھکرا دیں، سو پھر وہ قادرِ مطلق ابا کی قربانیوں اور امی کی فرماں برداریوں کو کیسے رائیگاں جانے دیتا۔ بہرحال ابا کو ایک بہت اچھی نوکری مل گئی اور ابا کویت کی طرف عازم سفر ہو گئے۔ کویت کی زندگی میں ابا پورے خاندان کو لے کر بار بار اللہ کے گھر کی طرف گئے۔ پے در پے عمرے حج کی سعادت ملی۔ امی اور ابا کی زندگی میں صحیح معنوں میں دین پر عمل آیا اور بقدر قربانی خدا تعالیٰ کی طرف قدردانی کا عملی مظاہرہ بھی ان لوگوں نے دیکھا، مگر ابھی انھیں اور نوازے جانا مقصود تھا جس کے لیے انھیں مزید امتحانوں سے گزارا جانا تھا، سو اچانک ابا کی کویت ائیرویز کی نوکری ختم ہو گئی اور ابا اپنے پانچ بچوں کے ساتھ پاکستان واپس آ گئے۔

تمام تر جمع جتھا سے ابا نے ایک رہنے کا ٹھکانا بنایا اور باقی پیسوں سے بچوں کی پڑھائی جاری رکھی۔ اس کے بعد گیارہ سال ابا بے روزگار رہے۔ پانچ بچے تعلیمی سفر کرتے رہے مگر ابا ڈٹے رہے۔ بتاتے ہیں ایک دفعہ اس زمانے میں میری ساس نے تمام بچوں کے ساتھ ہمارے ٹکٹ بھیجے کہ تم یہاں آ جاؤ مگر میں نے منع کر دیا۔ مجھے اس ملک میں جانا ہی نہیں تھا۔ بڑی بات یہ تھی کہ ابا کے ہر فیصلے میں ان کی وفادار بیوی پورے دل سے ان کے ساتھ رہی۔ ابا کی زندگی کا محور صرف ان کے اہل خانہ تھے۔ وہ سال ان کی زندگی کے قیمتی ترین سال تھے۔ باوجود صحت کی دگرگوں ہوتی حالت، معاشی پریشانی کے دین کے معاملات میں وہ لوگ اپنی ترقی پر تھے۔ ابا نے امی کو نماز اور دیگر اسلامی احکام جو سکھائے تھے وہ اس فراغت میں عملی طور پر کروائے۔ ابا بچوں کی تعلیمی سرگرمیوں میں پوری طرح جی جان سے شامل رہتے اور وہی وقت تھا کہ ان سب میں ایسی محبت اور تعلق پیدا ہو گیا جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے باوجود فارن پاسپورٹ بھی ہونے کے کسی بچے کو بھی انھوں نے یہ راستہ نہیں دکھایا اور امی کا ذہن اس حد تک بنا دیا کہ اپنی شادی کے بعد جب میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کا دل نہیں چاہتا جانے کا تو انھوں نے اتنا پیارا جواب دیا کہ ہر دیارِ غیر میں جانے والے بسنے والے کے متعلق میں سوچتی ہوں کہ اس پیدائشی مسلمان کو اس چیز کی کمی کیا وہاں محسوس نہیں ہوتی ہو گی جس نے میری نومسلم ساس کو کبھی اپنے آبائی ملک کی طرف نہیں رخ کرنے دیا کہ بیٹا! اذان کی آواز نہیں ہے ناں وہاں!

ابا امی نے اپنے بدلتے ہوئے زمانے میں جن بہت بڑے اللہ والے کی کتابوں سے مدد لی اور درحقیقت جنھوں نے غائبانہ اُن کی تربیت کی وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ابا کی زندگی حضرت کے اِس قول کی عملی تفسیر ہے کہ دین راحت رسانی کا نام ہے اور ''یہاں انسان بنائے جاتے ہیں!''

بحیثیت بہو اور تیس سال سے زیادہ کا ساتھ ہونے کے باوجود میں کہوں گی کہ شاید ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ جس میں ابا نے دل دکھایا ہو۔ ہاں ان کی تربیت کے طریقوں سے میں بھی گزری۔ ڈانٹیں بھی کھائیں مگر معلوم نہیں اخلاص کی کون سی منزلوں پر وہ ہیں کہ ان کے ہر اس عمل کے بعد انھیں منانے، خوش رکھنے اور خدمت کرنے کے جذبے میں ترقی ہی ہوتی۔

ابا کا اپنے بچوں کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہے جو فی زمانہ نظر آنا مشکل ہے، جو بچہ چاہے اُن کے ساتھ کیسا بھی تعلق رکھتا ہو مگر اگر مشکل میں ہے تو دامے، درمے، سخنے ابا اس کی مدد کے لیے حاضر ہیں۔

چپ چاپ تماشا دیکھا ہے

زینب حشمت سحر، اسلام آباد

جب میں رب سے مل جاؤں گا
تو اس کو یہ بتلاؤں گا
تیری دنیا کے ظالم لوگوں نے
مجھ کو بس مرتے دیکھا ہے
طاقت اور قوت ہوتے ہوئے
جرات و ہمت کر نہ سکے
چپ چاپ تماشا دیکھا ہے

دینی حولوں سے ہٹ کر انھوں نے اس دنیا میں محبت تو بہت سوں سے کی مگر عشق شاید دو ہی انسانوں سے کیا ایک اپنی بیوی اور ایک میرے بیٹے یعنی اپنے سب سے بڑے پوتے سے۔ ویسے ان کی محبت میں کوئی کم زیادہ نہیں ہے۔ ان کا ہر بچہ ان کی محبت کا محور و مرکز ہے۔ ان کی کامیابیوں کے لیے سو سو نفل منتیں مانگتے ہیں اور کامیابی کے بعد خوشی سے کہتے ہیں اللہ پاک مجھ سے بس اسی طرح پڑھواتے رہے۔

وہ کئی بار مجھے گوگل میپ کی طرح لگتے ہیں۔ کسی بچے کو لائن آف ڈائریکشن بتائیں گے، پھر وہ اس سے اِدھر اُدھر ہو جائے تو بجائے طعن کرنے کے نئی امیدوں کے ساتھ اُسی جگہ سے کامیابی کے نئے راستے بتانے لگیں گے۔ ان کے بچوں کو ان کی اس عادت کی وجہ سے ان سے کبھی کچھ چھپاتے نہیں دیکھا۔ ان کے لیے ان کی سب سے بڑی ترجیح دین اور پھر اولاد ہے۔ اس کے آگے ان کو کسی کی پروا نہیں اور ان کے بچوں کے توسط سے ان کے خاندان میں شامل ہونے والے لوگ بھی ان کے لیے اسی محبت اور عزت کے حق دار ہوتے ہیں جس میں ہم تینوں بہوئیں اور دو داماد ہیں۔

ابا کو تہجد سے لے کر پانچ نمازیں ذوق وشوق سے پڑھتے دیکھتے ہوئے ایک دن میں نے ان سے پوچھا:

''ابا! آپ ایسے پابند نمازی کیسے بنے؟''

ابا نے کہا: ''جب میں تمھاری ساس کو انتہائی محنت اور مشکل سے نماز پڑھتے دیکھتا تو مجھے شرم آئی اور میں نے بھی پڑھنا شروع کر دی۔''

امی فرماں برداری کی ایسی مثال تھیں جس پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ان کے کپڑوں اور جوتوں کا ایسا خیال رکھتیں کہ جوتوں پر پالش کرنا ان کے ناخن کاٹنا سب بغیر ان کے کہے کرتیں۔ ابا نے بھی ان کا حق ایسا ادا کیا جس کی نظیر ملنی بھی مشکل ہے۔ میں نے کبھی ابا کو امی کو کوئی حکم دیتے نہیں دیکھا۔ اکثر جب امی سو رہی ہوتیں تو ابا صبح ہی صبح کھانا بنا دیتے۔ پوری زندگی ابا نے کبھی امی کو روٹی بنانے نہیں دی کہ یہ کام انھیں خود بہت زیادہ مشکل لگتا تھا تو امی کو بھی نہیں کرنے دیا۔ امی ایک سال تک بستر پر رہیں تو ابا نے ان کی خود بھی وہ خدمت کی جو سوائے شوہر کے کوئی نہیں کر سکتا اور ہر بچے نے بھی کی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ، بڑے بڑے عہدوں پر فائز بچے اپنی ماں کی خدمت میں ایسے دل و جان سے لگے رہے کہ قابل مثال ہے۔ اکثر سوچتی ہوں کہ فی زمانہ یہ سب کیسے ممکن ہوا تو دل میں خیال آتا ہے کہ

''جو بآسانی میسر ہونے کے باوجود بھی محض اللہ تعالیٰ کے لیے دنیا کے کسی عیش کو ٹھکراتا ہے، اللہ پاک کے یہاں قیمتی ہو جاتا ہے۔ یہ دنیا بڑی نامراد ہے یہ اس قابل نہیں اور نہ اس کی سہولیات یہ درجہ رکھتی ہیں کہ ان کے لیے اپنے دین میں ذرہ برابر بھی نقصان کیا جائے۔''

میرا حافظِ قرآن بیٹا جب امی کے آخری وقت میں مسلسل ان کے لیے سورۂ یٰسین پڑھتا رہا، ان کے انتقال کے بعد جب مدرسے کی سب خواتین انھیں نہلا رہی تھیں اور جب بیت السلام میں ان کی نمازِ جنازہ ہو رہی تھی مجھے یہی خیال آتا رہا کہ وکان اللہ شاکرا۔ آج امی کے بعد ابا کا کثرت سے ہر وقت قرآن پاک ترجمہ کے ساتھ سننا۔ پچانوے سال کی عمر میں بھی مکمل صحت مند ہو کر اللہ رب العزت کے تمام احکامات پورے کرنا اس کی عملی تفسیر ہے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ اللہ پاک ہمارے ظاہر کو ہی دین دار نہ کریں بلکہ ہمارے باطن میں بھی اپنے دین کی محبت ثبت کر دیں۔ ہم اسی وقت دنیا کو نہ چھوڑیں جب دنیا چھوٹ رہی ہو بلکہ ہم اس وقت بھی دین کو دنیا پر ترجیح دیں جب انتخاب کا حق ہمیں ملا ہو، کیونکہ چھوڑنا تو سب کو ہی ہے، ہاں کچھ لوگ ہیں جو اپنے اختیار سے چھوڑ کر قیمتی بن جاتے ہیں اور بارگاہ ایزدی میں مقبول و محبوب ہو جاتے ہیں۔

اللہ پاک ہمارے ابا کو ایمان پر زندگی کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائیں اور ان کی اپنی محبوب بیوی سے جنت میں ملاقات کروائیں، آمین!

☆☆☆

۲

اور میں اپنے وعدے پر پورا اتروں گا!

جبین چیمہ

یہ سیدھی سڑک خان یونس جا رہی تھی۔ راستے میں جونہی اسرائیلی ٹینک انھیں نظر آتے وہ ان سے بچنے کے لیے سڑک سے نیچے اتر جاتے۔ جہاں کٹی پھٹی لاشیں معصوم بچوں کے ادھڑے ہوئے جسم اور جگہ جگہ انسانی اعضا بکھرے پڑے تھے۔ وہ شام تک آبلہ پا بغیر رکے چلتے چلے گئے۔ آگے کچھ دور چیک پوسٹ نظر آ رہی تھی اور یہیں پر ناصر کو پکا یقین تھا کہ اسے پکڑ لیا جائے گا یا گولی مار دی جائے گی۔

اس نے اپنے ساتھ چلتے ساتھی خالد سے کہا کہ وہ اردن کی ایک بڑے اخبار کا نمائندہ ہے اور یہی اس کا جرم ہے۔ اگر اسے پکڑ لیا گیا یا گولی مار دی گئی تو آپ لوگ میری اہلیہ کا خیال رکھنا۔ اس نے لیلیٰ کو بھی کہا کہ وہ مضبوط رہے۔ زندگی عارضی ہے۔ آج نہیں تو کل ختم ہو جائے گی اور پھر ان شاء اللہ تعالیٰ اس ہمیشہ کی زندگی میں کوئی غم، کوئی تکلیف، کوئی اسرائیل، کوئی امریکا نہیں ہوگا۔ وہاں ہم سب اکٹھے ہوں گے۔

دور سے ہی انھوں نے دیکھا کہ چیک پوسٹ پر بہت سے مرد کھڑے ہیں جن کے سارے کپڑے اتروا لیے گئے ہیں۔ ان کے جسموں پر صرف زیر جامے تھے، پھر وہ ان میں سے چار چار مردوں کو تھوڑی دور اوٹ میں لے جاتے اور پھر فائرنگ کی آواز سنائی دیتی۔

لوگ اس زندگی اور موت کے کھیل سے تنگ تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ اگر مرنا ہے تو پھر کیڑے مکوڑوں کی موت کیوں؟ ان کو مار کے کیوں نہ مریں!

لوگ بے بسی سے پاؤں گھسیٹتے ہوئے خود موت گھاٹ کی طرف بڑھ رہے تھے جب اچانک ننھے بچوں نے آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا دیے۔

''یا ربی......! یا ربی......!'' بس وہ یہی پکار رہے تھے۔

ان کی خوب صورت روشن آنکھوں میں درد کے جہاں آباد تھے، مگر اس خون آشام بلا جسے اسرائیلی فوج کہا جاتا ہے، اسے دیکھتے ہی وہ رب کی پناہ میں جانا چاہتے تھے۔

اچانک انھیں یوں لگا جیسے ابابیلوں کا کوئی جھنڈ اُن کے سروں سے گزرا ہے۔ ایک میزائیل ان کے سروں کے اوپر سے سرسراتا ہوا گیا اور تھوڑی دور جاتے ٹینک سے ٹکرا گیا۔

وہ سب تیزی سے سڑک سے اتر گئے۔ اتنے میں دوسرا ٹینک بھی میزائیلوں کی زد میں آچکا تھا اور پھر تیسرا اور اس کے چند لمحوں بعد ہی چیک پوسٹ اڑا دی گئی۔

وہ ایک عجیب نظارہ تھا، پھر نجانے کہاں سے حماس کے مجاہدین آنکلے تھے۔ انھوں نے پہلے اسرائیلی سپاہیوں سے جا کر اسلحہ لیا تھا اور پھر انھیں گولیوں سے بھونا تھا۔ وہ جو معصوم انسانوں سے زندگی چھین رہے تھے، چند ہی لمحوں میں ایسے ہو گئے جیسے کھایا ہوا بھوسا۔

بچے اور بڑے سب اللہ رب العزت کے حضور سجدہ ریز تھے۔ انھوں نے بھی بدلہ چکا لیا تھا۔ چند لمحوں میں بچے ہوئے مردوں نے اپنے لباس پہن لیے۔ ان میں سے جو رائفل چلا سکتے تھے، وہ مجاہدین کے ساتھ اسرائیلی اسلحہ لے کر غائب ہو چکے تھے۔ بس یہ لمحوں کا کھیل تھا جو مکمل ہو چکا تھا۔

اگلے دن وہ لوگ خان یونس پہنچ گئے۔

ایک رات انھوں نے سڑک پر ہی بسر کی مگر اگلے دن صبح وہ 'الجلا' اسپتال میں تھے جس میں زخمیوں، پیٹ کی بیماریوں میں مبتلا مریضوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ اپنی باری کے انتظار میں وہ گھنٹوں قطاروں میں کھڑے رہتے۔ یہاں عجیب سماں تھا۔ ہر ایک کو اپنے سے زیادہ اپنے بھائی یا بہن کی فکر تھی۔ یہ لوگ واقعی ایک جسم کی طرح تھے۔

خان یونس میں بھی ہر جگہ تباہی تھی اور اب اس قتلِ عام کو ڈیڑھ ماہ ہو چکا تھا۔

اور اُدھر اس لٹے پٹے وطن میں جس کا نام جنوبی غزہ تھا جہاں طلحہ سیڑھیوں کے نیچے اس طرح پڑا تھا کہ اس کے سامنے اوپر سے کوئی دروازہ ٹوٹ کے آگرا تھا اور اس کے ایک طرف ایک الماری کھسکتی ہوئی آکر رک گئی تھی۔ طلحہ اور فریال کئی دنوں سے اسی غار نما کمرے میں پناہ لیے ہوئے تھے۔

اسرائیلیوں کی بمباری کے بعد ایک دفعہ حماس کے ایک کمانڈر وہاں آئے تھے جو انھیں روٹی کے چند پیکٹ، پانی کی بوتلیں اور دوائیاں دے گئے تھے مگر اب اس بات کو بھی ایک ہفتہ ہونے والا تھا۔ ان کے پاس آخری روٹی بچی تھی۔ طلحہ ابھی چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھا۔ نہ ہی وہ اس پناہ گاہ سے نکل کر کسی دوسری جگہ جا سکتا تھا۔

تب محمد نے سوچا کہ وہ اس کھنڈر سے باہر نکل کر ارد گرد کا جائزہ تو لے۔ اس کی والدہ فریال بھی فاطمہ کی موت سے اور اپنی والدہ کے لاپتا ہونے کے غم میں ڈوبی ہوئی تھیں مگر وہ اس بات پر خدا کا شکر ادا کرتے بھی نہیں تھکتی تھی کہ طلحہ اس لاچارگی کی حالت میں بھی صحت یاب ہو رہا تھا۔

محمد اسپتال سے باہر نکلا تو ارد گرد تباہی اور درندگی کی وہ داستانیں بکھری تھیں جو اس سے پہلے فلک نے شاید ہی دیکھی ہوں۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی بلا چاروں طرف پھر گئی ہے۔ تباہ شدہ گھر، جگہ جگہ بکھری اور خراب شدہ لاشیں، ویران اور اجڑی ہوئی گلیاں اپنے مکینوں کے لیے نوحہ خواں زمین و آسمان ویرانی سے پریشان اپنے مالکوں کو ڈھونڈتی ہوئی اور کرلاتی ہوئی بلیاں اجڑے ہوئے درختوں پر تنکا تنکا ہوئے پڑے آستانے اور درختوں کے نیچے مری پڑی فاختائیں۔

آہ! اُس نے تنکے سمجھ کے پھونک دیا
میری دنیا تھی آشیانے میں

محمد مضبوط قدموں اور بہتی آنکھوں سے اس اجڑے دیار کی طرف جا رہا تھا جہاں اس نے آنکھیں کھولی تھیں۔ پاؤں پاؤں چلنا سیکھا تھا۔ یہیں اس نے بولنا سیکھا تھا اور یہیں اس نے مصیبتوں بھری اس زندگی کو جھیلنا شروع کیا تھا جس میں اس کے نانا، نانی، ماموں، ماں، باپ اور بہن بھائی تھے مگر اب کچھ دفن ہو چکے تھے۔ اسے جب سے جنگ شروع ہوئی تھی نہ اپنے باپ کا پتا تھا نہ اپنے ماموں کا۔ اس کا بھائی اور ماں اگر وحشیانہ بمباری سے نہ شہید ہوئے تو وہ بھوک سے شہید ہو جائیں گے۔

وہ آنسوؤں کو پیتا اور دونوں ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا تب اس نے دنیا کی سب سے قابل نفرت مخلوق کو دیکھا۔ وہ گلی کے آخری سرے سے اس کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کہیں چھپنے کی جگہ ڈھونڈتا، انھوں نے اسے دیکھ لیا تھا۔

''اوہ! تم یہاں کیوں پھر رہے ہو؟ تم یقیناً جانتے ہو گے کہ حماس کی سرنگوں کو کون سا راستہ جاتا ہے؟''

وہ اس کے سر پر پہنچ گئے تھے اور اب اسے گردن سے دبوچے کھڑے تھے۔

''میں یہاں کھانے کی کوئی چیز ڈھونڈ رہا ہوں۔''

اس اس نے بے خوفی سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ (جاری ہے)

☆☆☆

ذرا سوچ تو سہی:

اے ماں! ذرا سوچ تو سہی کہ......

تیرے وہ کون سے جذبے تھے اور تیری وہ کیسی دعائیں تھیں کہ پوری دنیا تیرے بچوں کے قدموں تلے بچھی جاتی تھی، آج تجھے کیا ہوا؟ تیرا وہ کردار کہاں گیا؟

پہلے مائیں اپنے بچوں کو باوضو ہو کر آیاتِ قرآنی کا ورد کرتے ہوئے دودھ پلایا کرتی تھیں، اب دودھ پلانے کے دوران حیا سوز فلموں کا نظارا کر رہی ہوتی ہیں۔

اے ماں! تو سوچ تو سہی جب تو کسی بچے کو دودھ پلاتی ہے تو ایک بچے کو دودھ نہیں پلا رہی ہوتی بلکہ پورے معاشرے کی آبیاری کر رہی ہوتی ہے کیوں کہ انہی بچوں سے آئندہ کا معاشرہ تشکیل پاتا ہوتا ہے، آج اگر تو حیا باختگی کے عالم میں ان کی پرورش کرے گی تو کل کو وہ بھی ایسی ہی معاشرت کو پسند کریں گے کیوں کہ مشہور ہے:

''آدمی جس قسم کا بیج بوتا ہے ویسی ہی فصل کاٹتا ہے'' (ام ثعلبہ۔ بلال پور گوجرانوالہ)

انمول باتیں:

☆ ستارے سے روشن رہنے کا سبق ضرور سیکھو مگر ستارے بننے کی خواہش نہ کرو کیونکہ یہ راستہ دکھا سکتے ہیں منزل نہیں ہوتے۔

☆ گناہ کرنے کے ساتھ ساتھ خدا کی رحمت کی امید رکھنا بد قسمتی کی علامت ہے۔

☆ رشتے اہم نہیں ہوتے، ان کو سمجھنے کے طریقے اہم ہوتے ہیں۔

☆ وہ شخص ہمیشہ بے فیض رہتا ہے جو اپنے استاد کی عظمت و بزرگی کا خیال نہیں رکھتا، جس سے ایک نقطہ سیکھو اس کی دل سے عزت کرو۔

☆ وہ شخصیت کبھی کھوکھلی نہیں ہوتی جس میں جذبوں اور انسانی عظمت کے اوصاف موجود ہوں۔ (بنتِ حبیب الرحمن۔ مدرسہ ام سلمہ للبنات، کراچی)

دعا عبادت کا مغز ہے!

شیما انور۔کراچی

اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے:

’’مجھے پکارو میں تمھاری دعائیں ضرور قبول کروں گا جو لوگ گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں ضرور ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔‘‘ (المومن: ٦٠)

اس آیت میں دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں:

ایک یہ کہ دعا اور عبادت کو یہاں مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے کیونکہ آیت کے پہلے حصے میں جس چیز کو دعا سے تعبیر کیا گیا ہے اس کو دوسرے حصے میں عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دعا عین عبادت اور جان عبادت ہے۔دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ سے دعا نہ مانگنے والوں کے لیے ’’گھمنڈ میں آکر میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں‘‘ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنا تقاضائے بندگی ہے اور اس سے منہ موڑنے کے معنی یہ ہیں کہ انسان تکبر میں مبتلا ہے، اس لیے اپنے مالک وخالق کے سامنے اعتراف عبودیت سے کتراتا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں اس آیت کے ان دونوں مضامین کو کھول کر بیان فرمادیا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’دعا عین عبادت ہے‘‘ پھر آپ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’دعا عبادت کا مغز ہے۔‘‘

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’جو اللہ سے نہیں مانگتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔‘‘

اس مقام پر پہنچ کر وہ مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے جو بہت سے ذہنوں میں اکثر الجھن ڈالتا رہتا ہے۔لوگ دُعا کے معاملے میں اس طرح سوچتے ہیں کہ جب برائی اور بھلائی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور وہ اپنی غالب حکمت و مصلحت کے لحاظ سے جو فیصلہ کرچکا ہے وہی کچھ لازماً رونما ہوکر رہنا ہے تو پھر ہمارے دُعا مانگنے کا کیا حاصل ہے؟

یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے جو آدمی کے دل سے دعا کی ساری اہمیت نکال دیتی ہے اور اس باطل خیال میں مبتلا رہتے ہوئے اگر آدمی دعا مانگے بھی تو اس کی دعا میں کوئی روح باقی نہیں رہتی۔

مذکورہ بالا آیت میں اس غلط فہمی کو دو طریقوں سے رفع کیا گیا ہے:

اولاً اللہ تعالیٰ بالفاظ صریح فرمارہے ہیں: ’’مجھے پکارو! میں تمھاری دعائیں قبول کروں گا۔‘‘ اس سے صاف معلوم ہوا کہ قضا اور تقدیر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے معاذ اللہ دُعا قبول کرنے کے اختیارات سلب ہوگئے ہوں۔ بندے بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ٹالنے یا بدل دینے کی طاقت نہیں رکھتے، مگر اللہ تعالیٰ نے بعض تقدیریں بندوں کی دعاؤں پر موقوف رکھی ہوتی ہیں۔جب بندہ دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وہ ضرورت پوری کردیتا ہے، مثلاً تقدیر میں یہ لکھا ہو کہ فلاں بندہ جب دعا کرے گا تو اسے فلاں مرض سے شفا حاصل ہوگی یا رزق حاصل ہوگا۔اب ظاہر ہے ان چیزوں کا حصول دعا کے بغیر ممکن نہ ہوگا۔اس کو علماء کی اصطلاح میں تقدیر معلق کہتے ہیں۔

دوسری بات جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خواہ دعا قبول ہو یا نہ ہو بہرحال فائدے سے وہ کسی صورت بھی خالی نہیں ہوتی اور وہ یہ کہ انسان اپنے رب کے سامنے اپنی حاجتیں پیش کرکے اور اس سے دعا مانگ کر اس کی ربوبیت وبالادستی کا اعتراف اور اپنی بندگی وعاجزی کا اقرار کرتا ہے۔یہ اظہار عبودیت خود عبادت بلکہ ہر عبادت کی روح ہے، جس کے اجر سے بندہ کسی حال میں بھی محروم نہ رہے گا قطع نظر اس سے کہ وہ خاص چیز اس کو عطا کی جائے یا نہ جائے جس کے لئے اس نے دُعا کی تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات میں ان دونوں باتوں کی بھی پوری وضاحت ہمیں مل جاتی ہے۔حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’قضا کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی مگر دُعا!‘‘

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’انسان جب کبھی اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتا ہے، اللہ اسے یا تو وہی چیز دیتا ہے جس کی اس نے دُعا کی تھی یا اس درجے کی کوئی بلا اس پر آنے سے روک دیتا ہے بشرطیکہ وہ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دُعا نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ سب ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی دعا کی اہمیت سمجھنے اور اس کا اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

نقشہ فردوس کا!

محمود درویش
اُردو قالب: نجمہ ثاقب

ان شہیدوں نے ہرگز یہ پوچھا نہیں
موت کے اس طرف
کیا ہے اور کیا نہیں
اس لیے کہ انہیں حفظ ہے مطلقاً
نقشہ فردوس کا
ان زمینی کتابوں سے بڑھ کر کہیں
جانتے ہیں اسے
ہاں مگر اک سوال ان کے ذہنوں میں اٹھتا رہا بارہا
موت سے قبل دنیا کے ہنگام میں، اپنا مصرف ہے کیا

☆☆☆

Haft Roza "Khawateen Ka Islam" Regd.No:MC1437

ضروری اعلان

رسائل گھر بیٹھے حاصل کیجیے!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

اطلاعاً عرض ہے کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی کی وجہ سے روزنامہ اسلام کے صرف اسلام آباد اور لاہور ایڈیشن کو پہلی جنوری سے بند کردیا گیا ہے، لیکن الحمدللہ مرکزی دفتر کراچی اور ملتان سے بدستور اخبار چھپ رہا ہے، نیز دونوں ہفت روزے بچوں کا اسلام اور خواتین کا اسلام بھی اسی آب و تاب سے اتوار اور بدھ کو شائع ہو رہے ہیں!

قارئین جو یہ سطور پڑھ رہے ہیں، ان سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اپنے رشتے داروں، دوستوں اور دائرہ بچوں/خواتین کا اسلام کے اُن قارئین کو جنھیں آپ کسی طرح بھی جانتے ہیں اور انھیں رسائل نہیں مل پا رہے، ہاکر انھیں منع کر رہے ہیں تو براہِ کرم ہماری نمائندگی کرتے ہوئے اُن تک یہ بات پہنچائیے کہ بالکل پریشان نہ ہوں، دونوں رسائل باقاعدگی سے شائع ہو رہے ہیں اور ہر شہر کی ایجنسی کے پاس حسب سابق پہنچ بھی رہے ہیں۔

پھر بھی اگر کسی وجہ سے آپ کی رسائی آپ کے محبوب رسائل تک نہیں ہو رہی تو ایک بہت آسان اور سہولت والا طریقہ یہ ہے کہ کراچی دفتر رابطہ کرکے اپنے گھر کے پتے پر دونوں یا کوئی بھی ایک رسالہ سال بھر کے لیے لگوا لیجیے۔

یہ طریقہ بہت آسان بھی ہے اور نسبتاً سستا بھی۔ بازار ہاکر کے پاس جا کر رسالہ خرید لانے میں پھر بھی کچھ وقت اور کرایہ وغیرہ لگتا ہے، جبکہ سالانہ ممبرشپ لینے سے آپ کے رسائل کراچی دفتر سے براہِ راست آپ کے پڑھنے کی میز پر اسی دن بلکہ ایک آدھ دن پہلے ہی پہنچ جاتے ہیں اور وہ بھی کسی قسم کا اضافی خرچ کیے بغیر۔ جی ہاں! دونوں رسائل کی ہوم ڈیلیوری بالکل مفت رکھی جا رہی ہے۔ آپ کی طرف سے ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا۔ آپ صرف شمارے کی قیمت جو چالیس روپے ہے اور سرورق پر لکھی ہوئی ہے، وہ ادا کیجیے اور پورے سال کے باون ہفتے اپنے گھر کی چوکھٹ پر اپنے لاڈلے رسائل کو حاصل کیجیے۔

چالیس روپے فی شمارے کے حساب سے سال کے باون ہفتوں کے کل اکیس سو روپے ہوتے ہیں، آپ سو روپے مزید کم کرتے ہوئے صرف مبلغ دو ہزار روپے فی شمارہ (یا دونوں رسائل کے چار ہزار روپے) ادا کیجیے اور پورے سال گھر بیٹھے رسائل حاصل کیجیے۔

طریقہ کار بہت آسان ہے:

رابطہ نمبر (03213557807) پر ایزی پیسہ کا اکاؤنٹ موجود ہے۔ اسی طرح آپ یہ رقم ہمارے بینک اکاؤنٹ میں بھی جمع کرا سکتے ہیں (بینک اکاؤنٹ کی تفصیل ذیل میں دی جا رہی ہے)۔ دونوں میگزین کے چار ہزار روپے یا کسی بھی ایک میگزین کے دو ہزار روپے اپنی سہولت کے مطابق ایزی پیسہ کروائیے یا بینک اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دیجیے، بعد ازاں پیسے بھیجنے کی کمپنی رسید اور اپنا مکمل پتا اسی نمبر پر واٹس ایپ کرکے حکم کیجیے کہ آپ کے نام رسائل جاری کر دیے جائیں۔ فون پر رابطہ کرنا چاہیں تو اسی نمبر پر علاوہ اتوار، دفتری اوقات صبح نو سے شام چار بجے تک کال بھی کرسکتے ہیں۔

اس ترتیب کے علاوہ اگر آپ ہر ہفتے ہی رسائل خریدنا چاہتے ہیں تو اپنے اپنے شہر کے ہاکر کو بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ آپ کو اخبار مارکیٹ کی ایجنسی سے شمارہ حسب سابق لا کر دے۔ اگر ہاکر منع کر دے تو شہروں کے ایجنسیوں کے نمبر بھی ذیل میں دیے جا رہے ہیں، فون کرکے ان سے منگوا لیجیے۔

لاہور:	شفیق صاحب	(03324776628)
اسلام آباد:	عدنان صاحب	(03005151136)
ملتان:	ملک ایوب صاحب	(03007353405)
کراچی:	اسلم صاحب	(03002125353)

دعا ہے کہ ہمارا آپ کا ساتھ تادیر رہے اور بخیر و عافیت رہے، آمین!

مدیر
روزنامہ اسلام

Account Title: Daily Islam
Bank Account No: 0758-1006122719
Bank Alfalah Nazimabad No 6 Karachi.